واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا
(القرآن)

دربارِ یزید میں نواسیِ رسولؐ اللہ کا خطاب

کِدْ کَیْدَکَ وَاسْعَ سَعْیَکَ فَاِنَّ ذِکْرَنَا لَا تَمْحُوْا

اے یزید تو مکر و فریب کرتا ہے کر لے اور جتنی کوشش کر سکتا ہے کر لے لیکن یاد رکھ کہ ہمارا ذکر دنیا سے کبھی محو نہیں ہوگا۔ (حضرت زینب بنت امیر المومنینؑ)

ماہنامہ

معارفِ اسلام

لاہور

ماہ صفر
۱۳۸۱ھ

اربعین ایڈیشن

مدیر اعزازی
غیاث الدین

... اعزازی
... امداد حسین کاظمی

جنرل سکرٹری۔ خواجہ سراج الدین قریشی

ناشر: ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) پاکستان لاہور

علوم و معارف سے پُر کتابیں

خود پڑھیں اور دوں کو پڑھائیں - ان سے تمام آمدنی اشاعت دین پر خرچ ہوتی ہے

اسرار توحید (از امام جعفر صادقؑ)
بلا جلد ۵۰ پیسے مجلد ۲؍
قرآن تفسیر ... مجلد ... ۷۵ پیسے
بلا جلد ... ۷۵ پیسے
مذہب اور سائنس ۶۲ پیسے نئے
حکومت نیابتی ۵۰ پیسے نئے
محرم و آداب عزا ۵۰ پیسے نئے
نوائے اقبال در مدح اہلبیت ۵۰ پیسے
موازنہ حق و باطل ۳۷ پیسے
دلیل عزا ۷ پیسے قوانین شریعہ ۳ پیسے
تعلیم کی ناکامی اور اس کا علاج ۳ پیسے
چیسٹ ٹریٹی (انگریزی) ۲۵ پیسے
اقتصادی مشکلات کا حل ۲۵ پیسے
مہدی موعود ۳ پیسے عصمت انبیاء ۶ پیسے
ذکر ... ۳۰ پیسے اصول ... ۳ پیسے
آلِ محمدؐ دل محمدؐ ۱۳ پیسے
اسوۂ ضروریات اتحاد ۱۳ پیسے
تلخیص الیقین (اسلام اور تعلیمات) ۶ پیسے
صحیفۂ غم دوم عاشورہ کی تاریخ منظوم ۲۵ پیسے
سپارہ اول ... ۲۵ پیسے

نہج البلاغہ مترجم سید رئیس احمد جعفری
عبدالرزاق ملیح آبادی و سید مرتضیٰ
حسین - قیمت ۲۵/...
نہج البلاغہ ہر سہ حصہ ۲۵/...
(مترجم مفتی جعفر حسین صاحب)
فلسفۂ اسلام حصہ اول (آغا محمد
سلطان مرزا) ۸ روپے ۷۵ پیسے
حصہ دوم و سوم ایک جلد ۸ روپے ۵۰ پیسے
اسلامی ریاست کا ابتدائی مطالعہ ۲؍
قرآن اور جغرافیائی مسائل ۵۰ پیسے
مخزن المعارف یعنی شیعہ پاکٹ بک
مرزا احمد علی صاحب امرتسری ...
تاریخ الاسلام ۳۷ پیسے
دلیل العرفان ... ۲۵ پیسے
معلم اسلام (علامہ کاظمی) (تمام ضروری اعمال) ۱۰۰ پیسے
اعمال واجبیہ (علامہ کاظمی) ۱۰۰ پیسے
مقتل الحسین عقبہ بن سمعان (علامہ کامونپوری) ... پیسے
تصویر درد ۵۰ پیسے تحفۃ المبین ۵ پیسے
حقیقت التقیہ ۳ پیسے ... ۲ پیسے

حضرت یوشع بن نون ۵۰ پیسے مسئلہ اتحاد ۵۰ پیسے
انوار حکمت (اقوال امام حسینؑ) ...
اصل و اصول شیعہ (آل کاشف الغطا) ...
اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ حصہ اول (عہد نبوی) ...
اسلامی معاشرہ و تعلیمات اہلبیت / مومنین کے آداب و قسمت ...
تحقیق حدیث انا مدینۃ العلم ۶۳ پیسے
اسلامی عقائد و تعلیمات اہلبیت از ادیب اعظم سید ظفر حسن امروہوی ۲۵ پیسے
مواعظ حسنہ از علامہ شیخ عبدالعلی الہروی الطہرانی ...
اخلاق المعصومین (علامہ کاظمی) ...
ہلاکت ملوکیت در اطاعت حسینیت ۲۵ پیسے
سیرۃ فاطمۃ الزہراؑ مجلد ... (آغا محمد سلطان مرزا) بلا جلد ...
البلاغ المبین حصہ اول (اضافہ شدہ) (آغا محمد سلطان مرزا)
مجلد ... غیر مجلد ...
البلاغ المبین حصہ دوم سوم ...

ترسیل زر بنام :- مدیر اعزازی ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) ڈبی بازار لاہور
خط و کتابت بنام :- مہتمم دفتر ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) ... شیخ ...

راستی و درستی بہترین سیاست است

ماہنامہ معارفِ اسلام لاہور

مدیر اعزازی: غیاث الدین

جلد ۷	ماہ صفر المظفر ۱۳۸۱ھ مطابق جولائی ۱۹۶۱ء	شمارہ ۳

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتنی ہا

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی ہیں!

اگر ہم اپنا جائزہ نہ لیں تو یہ بہت بڑی کوتاہی ہوگی۔ عوام کی منشا اور پسند کے مطابق شائع کرنے سے پرچے کی ترقی کا باعث تو بن سکتا ہے مگر جن مقاصد کیلئے یہ سلسلہ نشرو اشاعت جاری ہے وہ مقاصد حاصل نہ ہونگے بلکہ یہ محض ایک تجارتی سلسلہ بن کر رہ جائیگا۔ لہٰذا حقائق خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہوں ہمیں یہ گھونٹ ضرور پینے چاہئیں —— ایام عزا یعنی ابتدائے سالِ نو (آغاز ماہ محرم الحرام) کا ملت جعفریہ سے خاص الخاص تعلق ہے۔ گو اس کا تعلق تمام مسلمانانِ عالم سے اور حقیقتاً اس کا تعلق تمام عالمِ انسانیت سے ہے مگر چونکہ ملتِ حقہ ان ایام کو خاص اہتمام سے مناتی ہے۔ لہٰذا ملت جعفریہ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ ان ایام میں تمام دنیا کی نگاہیں آپ ہی پہ ہوتی ہیں۔

تمام سال کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ اعمالِ خیر بجا لائے یا نہ لائے۔ احکامِ اسلامی پر عامل رہا ہو یا نہ رہا ہو مگر ایام عزا میں امامِ مظلوم اور ان کی مظلومیت سے ہمدردی رکھتے ہوئے اعمالِ عشرہ میں ضرور شریک ہوتا ہے۔ اعمالِ عشرہ سے مراد ان کے نزدیک وہ مخصوص عبادات و اعمال نہیں جن کے ہر شب و روز عشرہ میں بجا لانے کے احکام و طریقے موجود ہیں یا جو خاص طور پر شبِ عاشور و روزِ عاشور کو بجا لانے کا حکم ہے۔ بلکہ ان حضرات کے نزدیک اعمالِ عشرہ محرم سے مراد صرف محرم کی مجالس اور جلوسوں میں شرکت سے ہے۔ واقعات و مسائل اسلامیہ سننا اور اسلام کی راہ میں اہلبیت محمد مصطفےٰ کے مصائب سن کر آنسو بہانا۔ دربار دُر بار معصومین میں بعوض انعقاد مجالس عزا گریہ و بکا اور جلوس شبیہ ذوالجناح و تعزیہ عقیدت کے پھول چڑھانا بروئے شرع محمدیہ یہ سب جائز و درست۔ اور آپ کی عقیدت لائق صد تحسین و آفرین —— مگر آپ نے کبھی یہ بھی دیکھا کہ ان ایام میں تمام دنیا کی آنکھیں آپ پر لگی ہوتی ہیں اور پھر دُنیا

آپ کو طعنہ دیتی ہے کہ

"ان کو تو سوائے رونے پیٹنے کے اور کچھ آتا ہی نہیں۔ ان کے علماء کرام جوازِ عزا تو بڑے مدلل طور پر پیش کرتے ہیں مگر خود جلوسوں میں ان کی شرکت نہ ہونے کے برابر ہے شبیہ ذوالجناح کی باگ علماء کے ہاتھوں میں نہیں ہوتی۔ بلکہ وہی داڑھی منڈھے غیر شرع نوجوان اپنی من مرضی سے جلوس کی قیادت کر رہے ہوتے ہیں ان کے پڑھے لکھے مرد اور عورتیں دن بدن مذہب سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں۔ خاندانِ رسالت کی مخدرات کے بے پردہ بازاروں میں پھرائے جانے سے خوب روتے ہیں مگر خود اپنی خواتین کا پردہ اٹھوا کر فیشن زمانہ میں داخل ہو چکے ہیں ..... وغیرہ وغیرہ۔"

ہم کہتے ہیں ذرا ان کے دلوں کو تو چیر کر دیکھو اور ان کے جذبات تو ملاحظہ فرماؤ کہ محبتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ میں کس قدر ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور غیر شرع ہونے کا طعنہ دینا تو سراسر حماقت ہے۔ کیا آپ ان کے پہرہ دار مقرر ہوئے ہیں کہ ان کے اعمال کی نگرانی کرنے کے بعد ان کے غیر شرع ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ سینما گھروں، راگ گھروں، شراب خانوں اور راگ و رنگ کی محفلوں میں بوڑھوں اور نوجوانوں۔ مردوں اور عورتوں کو روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ مگر ایام عزا میں عزاداروں پر دنیا والے اعتراض کرتے ہیں —— مگر دنیا کی آنکھیں آپ پر ہوتی ہیں —— ذرا آپ بھی ان اعتراضات کو اپنے عمل سے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اور سوچیں کہ اتنے خلوص کے باوجود ملت میں "اعمال اور ترقی" کی جہت سے بجائے خوشحالی کے زوال کیوں آ رہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی ایک ہی وجہ ہے وہ یہ کہ ہم نے صرف جذباتِ محبت کے اظہار تک ہی اپنے کو محدود کر لیا ہے۔ اور ان اظہارِ جذبات کے ساتھ اگر خدا کی تابعداری۔ احکام شرع کی پابندی اور علماء کرام کا اپنے علوم حقّہ کے ساتھ ساتھ خود باعمل بننے اور پبلک کو باعمل بنانے میں بھی زور و شور شروع ہو جائے اور علماء کرام کے آپس میں اتحاد و اتفاق سے ہماری واحد "تنظیم" قائم ہو جائے تو ملت بامِ عروج پر پہنچ کر سب کیلئے "قابلِ تقلید" ہو جائے عوام الناس بجائے اعتراض کرنے کے عمل کیلئے ہماری مثالیں پیش کریں۔ میرے ایک بڑے اچھے دوست جو دن رات قوم کی حالت کا رونا ہی روتے رہتے ہیں فرمانے لگے کہ "اگر اسلام میں مسلک اہلبیتؑ حق نہ ہوتا اور اس مسلک کے دلائل و براہین قرآن۔ حدیث اور عقل کی رو سے لاجواب و محکم نہ ہوتے تو ملت کی بے عملی اور ان کا قومی انتشار دیکھ کر مدت سے میں اس مذہب سے علیحدہ ہو چکا ہوتا۔ مگر چونکہ تعلیماتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ اسلام میں پاکیزگی اور عقل کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں لہٰذا کوئی عقلمند ان سے جدا نہیں ہو سکتا" —— یہ درست ہے لہٰذا قصور کس کا ہے؟ —— اب ذرا آپ ہی سوچئے اور کچھ کیجئے۔

اندھی تقلید

ادارۂ معارف اسلام کے سیکرٹری جنرل ہمدرد دین وملت جناب مستطاب خواجہ معراج الدین صاحب کا مندرجہ ذیل بیان علمائے عوام اور محکمہ ریڈیو سے خاص توجہ کی توقع رکھتے ہوئے شائع کرتے ہیں :-

حمد صرف اُس ذات کبریا کے لئے کہ جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور جسم انسان کو اپنی کاریگری اور صنعت کا نمونہ قرار دیا۔ جو جو بھی اجزا انسانی ڈھانچے میں خلق فرمائے سب اپنی اپنی مناسبت سے موزوں اور فائدہ مند تخلیق کئے۔ آنکھوں کو دیکھنے۔ زبان کو چکھنے۔ کان کو سننے۔ ناک کو سونگھنے اور ہاتھوں کو چھو کر معلوم کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی ان سب پر ایک پہرہ دار یعنی عقل کو معین کیا تاکہ حرام اور حلال کا اندازہ ہو سکے۔ نیک و بد میں تمیز کر سکے۔ دیکھنے کے لئے کئی چیزیں ہیں۔ حرام بھی اور حلال بھی۔ اسی طرح چکھنے کے لئے بھی شیریں اور کڑوی۔ سننے کے لئے قرآن وحدیث اور گانے۔ غزلیات وغیرہ بھی۔ سونگھنے کے لئے خوشبو بھی اور بدبو۔ چھونے کے لئے بھی پاک اور نجس اشیاء موجود ہیں۔ اب اپنی انسان کی مرضی کہ وہ عقل کو کام میں لاکر حرام سے بچے یا برخلاف عقل کے خواہ مخواہ حلال کو چھوڑ کر حرام کا مرتکب ہو۔

اپنی ذات مقدس کے لئے یہ نہیں کہا کہ زبردستی مجھے مانو بلکہ جب تک پورا اطمینان ہر طرح سے نہ کر لو۔ میری وحدانیت کا ہرگز اقرار نہ کرو۔ اور سمجھ سوچ کر گو میں نظر نہیں آتا اور نہ آؤنگا مگر میری قدرت کاملہ کو دیکھکر مجھے پہچانو اور تب میری عبادت کرو۔ کسی کے کہنے سے ہرگز عبادت تمہاری عبادت نہ ہوگی۔

رسالت کے متعلق بزبان لسان قدرت جناب سرورعالمؐ پر ارشاد باری ہوا کہ دیکھو جب تک تصدیق نہ کر لو اور کوئی معجزہ نہ دیکھ لو ہرگز اقرار رسالت نہ کرنا۔ کیونکہ کئی دھوکا باز۔ شعبدہ باز دعوئے رسالت کرینگے۔ لہذا بغیر معرفت حاصل کئے نہ سجدہ میری درگاہ میں قبول اور نہ ہی رسالت کا کامل مدعا حاصل ہوگا۔

امامت کا بھی انہیں الفاظ میں تعارف فرمایا کہ جو بھی بعد از میرے حبیب رسول مختار دعوئے امامت یا خلافت کرے۔ دیکھ لینا کہ آیا یہ دعوے دار میری طرف سے ہے یا تم لوگوں کا خود ساختہ ہے۔ اگر منجانب اللہ ہو تو بے دھڑک اس کی تابعداری لازم آئیگی۔ کیونکہ اس کی نافرمانی رسالت کی نافرمانی اور رسالت کی نافرمانی میری یعنی خدا کی نافرمانی ہے۔ خود ساختہ کے لئے اس میں کوئی گنجائش نہیں ——— نتیجہ یہ نکلا کہ جو بھی کام تمہارا اے انسان ہو وہ سمجھ سوچ کر اور معرفت حاصل کر کے کرو۔

ہرگز کسی کے کہنے سننے پر اعتبار نہ کرنا۔ ورنہ خطا کار ہو جاؤ گے۔ مگر افسوس ہم لوگ کبھی بھی اس ہدایت خدا اور رسولؐ کو عملی جامہ نہیں پہناتے۔ اندھی تقلید کی طرح جو بھی بزرگ اپنے ہم خیال کہہ دیں وہ سب درست۔ حالانکہ آنکھیں دیکھ کر کہہ رہی ہوں کہ یہ سب غلط ہے۔

کتابیں پڑھ کر اپنے آپ کو علما کی صف میں کھڑا کرنا آسان ہے مگر کتابوں سے علم حاصل کرنے کے بعد اُس علم پر عمل بھی کرے وہی اصل میں عالم ہونے اور کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے معصومینؑ نے علماء قابلِ تقلید کی صفات، نشانیاں اور شرائط بتا دی ہیں۔ جو ان شرائط پر پورا اُترے فی الحقیقت وہی عالم کہلانے کا مستحق ہے۔ مگر افسوس ہمارے فتوے دینے والے بہت ہی کم علماء کو علم اور عمل دونوں چیزیں حاصل ہیں بلکہ ہمیں خواہ مخواہ اپنی نادانی کو چھپانے کیلئے کبھی شہادت اور کبھی تقلید کا مسئلہ سنا کر خاموش کر دیتے ہیں۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے ماں چاند کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے "وہ دیکھو چاندا ماموں" یعنی پیدائش سے ہی چاند کی پہچان کروانا گہوارہ مادری کا کام ہے۔ مگر ہمارے بزرگ علما کم از کم ساٹھ برس کے تو ضرور ہوتے ہونگے۔ دیکھیے کس قدر چاندوں کو انہوں نے پہلے ہلال اور پھر بدر کی منزل تک پہنچتے دیکھا ہوگا۔ کیا ان بزرگوں کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ چاند یکم یا دوئم کا ہے یا کہ سوم چہارم کا ہے۔ اگر یہ بزرگ عملی علم بھی کچھ حاصل کر لیتے تو کم از کم جو حرام عمل واقعہ میں آتے ہیں تو اگر کوئی تہوار یکم کا ہی ہو یعنی عید الفطر وغیرہ تو سب لغو بھی درست کہ بوجہ بادل یا کہر چاند نظر نہ آیا اور غلط دن تہوار منایا گیا مگر جو تہوار دس یوم کے بعد ہو یعنی عید الاضحٰے یا محرم الحرام کا عشرہ اس میں ان لوگوں کی کم علمی سے جو جو بھی غیر موزوں باتیں ہوں کون اس کا ذمہ وار ہوگا دس یوم بعد چاند فلک پر آشکار ہو کر اپنی منزل اور قد و قامت کا پتہ دیتا ہے۔ مگر افسوس ان بزرگوں کو ٹس سے مس نہیں ہوتا اور اپنی ضد پر قائم کہ جو منہ سے نکل گیا وہ درست۔ چاہے اعمال سب ضائع ہو جائیں۔

بیشک حدیث میں شہادت کا ماننا بھی ضروری ہے۔ مگر میرے محترم بزرگو جبکہ اپنی آنکھ سے خود دیکھ لو تو پھر شہادت کیسی ——— نیز شہادت نزدیک تر کی ہونی چاہئے یہ نہیں کہ فاصلہ ...میل کا ہو اور آپ اس پر یقین فرما دیں۔ آٹھ سو میل کے فاصلہ پر تو کم از کم نصف یا پونے گھنٹہ کا فرق دن رات میں ہو جاتا ہے۔ ہم لاہور میں جبکہ نماز مغرب پڑھتے ہیں کراچی میں اس وقت دن ہوتا ہے اور جبکہ ہم لاہور میں نماز فجر ادا کرتے ہیں کراچی میں لوگ شب باشی کے خمار میں مدہوش ہوتے ہیں۔ یہ کہاں درست ہے کہ جو کچھ کراچی میں ہو رہا ہو وہی لاہور میں ہو۔

ہم حکومت پاکستان کے مشکور ہیں کہ وہ ایام عشرہ محرم الحرام میں دس یوم متواترات دن کو ریڈیو پروگرام میں کوئی ناروا پروگرام نہیں سناتی۔ بلکہ صرف تذکرہ شہادت۔ مرثیہ خوانی اور شہدا علیہم السلام پر یہ عشرہ ختم ہوتا ہے۔

اب اگر اصلی یوم عاشور کی بجائے پہلے ہی یوم عاشور ہمارے علما منوا کر عشرہ ختم کر دیں تو ان اعمال حرام کا سہرا جو کہ عاشور کے دن ہوتے کس پر ہوگا۔ کبھی یہ سننے یا دیکھنے میں نہیں آیا کہ جمعہ کی نماز جمعرات کو ادا کی گئی ہو۔ یا نماز صبح رات کے بارہ بجے اور نماز مغرب دوپہر پہلے ہی پڑھ لیں۔ اعمال کا صحیح وقت پر ہونا ضروری ورنہ اعمال باطل ہو جائینگے۔

گذشتہ عشرہ محرم الحرام میں ہمارے بعض محترم علماء نے ہمیں غلط عاشور کا دن کروایا بلکہ یہ ایک کی بجائے دو یوم عاشور بنے یعنی عاشور کے صحیح دن کو ریڈیو پروگرام بعد ساز باز کے اور رنگا رنگ فلمی گانوں کے ہوتا رہا۔ اور اعمال عاشور یا شب عاشور ایک یوم قبل لوگوں نے کئے۔ فرمائیے یہ اعمال جو خراب ہوئے۔ اس کا گناہ کس فرد پر ہوگا۔

میری صرف یہ التجا ہے کہ ہمارے بزرگ علماء کرام جو بھی بات منہ سے نکالیں وہ سوچ کر تاکہ ان کے مقتدی حضرات خواہ مخواہ اعمال صالح کی بجائے اعمال کو ضائع نہ کر بیٹھیں۔ نیز جہاں تک علم کتابی حاصل کیا ہے عملی علم بھی حاصل کریں۔ اور مقتدی صاحبان بھی کچھ غور و خوض سے کام لیں اندھی تقلید کے قائل نہ ہوں۔ ورنہ ہمیشہ خسارہ میں رہنا پڑیگا۔ نیز محکمہ ریڈیو براڈ کاسٹنگ بھی اگر یکم محرم الحرام سے ایک دن قبل اور یوم عاشور سے ایک دن بعد تک گانا وغیرہ بند رکھے تو ایام عزا کے متعلق پبلک کے جذبات کا بھی احترام رہے اور طبیعتوں پر بھی یہ گراں نہ گزرے کہ حیات شہدا اور اسلامی حقائق کے مسلسل بیانات کے بعد یکدم ہی ساز و نغمہ اور طبلہ بجنے لگتا ہے۔ طبیعتوں پر یہ بہت گراں گذرتا ہے۔ محکمہ براڈکاسٹنگ کے لائق افسران کو اس طرف خاص طور سے متوجہ ہونا چاہئے۔

محرم میں ادارہ معارف اسلام کی خدمات کی ایک ہلکی سی جھلک

(سیکرٹریان ادارہ حلقہ انگلستان مشرقی پاکستان کی رپورٹیں)

برمنگھم ۱۳ انگلینڈ

۱۳ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ
۲۷ جون ۱۹۶۱ء

بخدمت محترم صدر۔ ادارہ معارف اسلام۔
مرکزی دفتر۔ لاہور۔ پاکستان

سلام علیکم و تحفہ بالجلی عرض۔ امید ہے کہ آپ سب بخیر و

عافیت ہو گئے۔ اس سال برمنگھم میں اور شاید تمام برطانیہ میں پہلی بار باقاعدہ محرم الحرام کی مجالس ہوئیں اور ماتم برپا کیا گیا۔ جناب حافظ علی محمد صاحب جو مرد مومن اور حافظ قرآن ہیں نے اپنا ہال محرم کی مجالس کے لئے ادارۂ "معارف اسلام" کی تحویل میں دیدیا۔ بہت وسیع جگہ ہے۔ ہزاروں آدمی سما سکتے ہیں۔ چونکہ ابھی ہماری تنظیم نئی نئی ہے اور یہاں کا ماحول کچھ اتنا مصروف ہے کہ سب آدمیوں کا اکٹھا ہونا مشکل ہوتا ہے۔ مگر اُس ذات باری کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میری خواہش بر آئی جس کسی مومن کا پتہ چلا اُس سے خود جا کر ملا یا ٹیلیفون پر یا خط لکھ کر رابطہ قائم کیا۔ سب نے گرمجوشی کا اظہار کیا جس کسی آدمی کے نام پر مومن ہونے کا گمان ہوا اُس کو بھی میں نے بیدھڑک جا پوچھا تو آخر ساٹھ فیصدی مومنین ہی نکلے۔ کئی آدمیوں نے بُرا بھی منایا مگر میں نے اپنا مشن جاری رکھا۔ آخر چند مخلص مومنین کو اکٹھا کرنا بھی کچھ معنی رکھتا ہے میں نے یہاں ۶۵ سادات و مومنین کے نام اور پتے معلوم کئے۔ جن میں سے چالیس سے اُوپر لوگ پکے مومن نکلے اور ہماری مجالس میں شریک ہوتے رہے۔ عشرہ محرم کی تمام مجالس باقاعدگی سے ہوتی رہیں۔ پانچویں محرم کے بعد اختتام مجالس میں ماتم بھی ہوتا رہا۔ میں پہلے جھجکتا رہا کہ شاید یہ لوگ پسند کریں یا نہ۔ جناب محترم حافظ علی محمد صاحب کے عقیدے کے متعلق مجھے پورا علم نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ تفضیلی قسم کے آدمی ہیں۔ مگر ماتم کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو خود ماتم کرنے کیلئے بیتاب تھے۔ ۱۸ یا ۲۰ نوجوان بہت اچھے ماتمی نکلے۔ کوئی کسی علاقے کا تھا کوئی کسی علاقے کا۔ ماتم کرنے کا ڈھنگ جدا جدا تھا۔ مگر دو مخلص نوجوان نذیر حسین اور فدا حسین جو مشہور آرٹسٹ محمد عالم کی پارٹی کے ہمراہ یہاں پچھلے اگست سے انگلستان کا دورہ کر رہے ہیں یہ تینوں ہماری مجالس میں روزانہ شریک ہوتے رہے اور بڑی خوش الحانی سے مرثیہ جات پڑھتے رہے۔ نذیر حسین و فدا حسین بہت اعلےٰ قسم کے نوحہ خوان ہیں اور ماتمی بھی ہیں۔ تھوڑے ہی وقت کے بعد ہماری ماتمی پارٹی منظم ہو گئی اور مجلس کے بعد کافی دیر تک ماتم ہوتا رہا۔

شب عاشور کو چھ سات نوجوان یہاں برمنگھم سے ۴۰ یا ۵۰ میل کے فاصلہ پر ایک شہر رگبی (RUGBY) ہے وہاں سے خاص طور پر آئے اور قریباً تمام شب ماتم ہوتا رہا۔ علے الصبح میں نے بلند آواز سے اذان دی اور لوگوں نے صف باندھ کر اکٹھے نماز ادا کی۔ میں نے اونچی آواز میں نماز کو ادا کیا اور باقی سب نے نیت فرداً فرداً کی مگر میرے ساتھ شامل نماز ہوئے (کیا ایسا درست ہے آپ ہدایت فرمائیں)۔ پھر صبح ۹ بجے مجلس شروع ہوئی اور تقریباً ۱½ بجے ختم ہوئی۔ پھر اسی دن یعنی یوم عاشور کو شام کے ۸½ بجے سے

لیکر ۱/۲-۱۰ بجے تک حافظ علی محمد صاحب کے رہائشی مکان پر شام غریباںؑ کی مجلس کا انعقاد ہوا۔ ہر مجلس میں کوئی نہ کوئی مومن نیاز لے آتا تھا جو بعد از مجلس بطور تبرک تقسیم ہوتی رہی کل پانچ بروقت شب پھر اسی Triangle Hall (ٹرائنگل ہال) میں جہاں مجالس محرم ہوتی رہیں ہوئی کی مجلس ہوئی۔ عشرہ کی رات کو ایک سید منظور حسین شاہ سکنہ ڈھڈیال (ضلع میرپور) حال بریڈفورڈ جو ذاکر ہیں آگئے تھے۔ شام غریباں کی مجلس بھی انہوں نے ہی پڑھی۔ چہلم بھی یہاں امید ہے کہ پہلے سے بہتر صورت میں منایا جائیگا۔

یہاں کے ہفت روزہ اخباروں میں ان مجالس کے متعلق تحریر کیا گیا ہے۔ ہمارا تذکرہ اب تمام برطانیہ میں ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ اور بہت سے مومنین جن کا ابھی ہمیں علم نہیں وہ بھی ادارہ معارف اسلام میں شامل ہو جائینگے۔ اس وقت میں بحیثیت سیکرٹری کام کر رہا ہوں۔ حافظ علی محمد صاحب صدر ہیں اور چوہدری رشید احمد صاحب نائب صدر اور کیپٹن عجائب حسین شاہ صاحب خزانچی سید عثمان شاہ صاحب، سید خلیل شاہ، غلام مصطفےٰ ربانی کربلائی، مستری فضل کریم و دیگر حضرات بڑے ACTIVE کارکن ہیں۔ عزیزم سجاد حیدر اور ندیم باقر ہر مجلس میں شرکت فرماتے رہے اور میری تسکین و تقویت کا باعث ہوئے۔ آپ مناسب طور پر "معارف اسلام" و دیگر قومی رسائل میں یہ اطلاع شائع کرا دیں میں ہر مجلس کے بعد حسب دستور باواز بلند زیارت پڑھتا ہوں میری آواز بہت بلند ہو گئی ہے میں نے آپ کے مضامین سے خیالات لیکر مجالس میں تقریر بھی کی ہے یہاں کے اراکین کی مکمل لسٹ علیحدہ ارسال کر رہا ہوں والسلام

(M.H. Shah) سید منظور حسین شاہ سیکرٹری ادارہ معارف اسلام (حلقہ انگلستان)

رپورٹ سیکرٹری حلقہ مشرقی پاکستان

تیجگاؤں ڈی ایل آر آفس

۱۷-جون ۱۹۶۷ء

محترم معظم جنرل سیکرٹری ادارہ معارف اسلام مرکزی دفتر لاہور

سلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ بطفیل آئمہ معصومینؑ بخیریت ہونگے۔ ضروری گذارش یہ ہے کہ امسال ماہ محرم میں حسب دستور سابق ادارہ معارف اسلام کی بنگلہ نشر و اشاعت کی چوتھی کتاب عقائد شیعہ جلوسوں میں نیز ڈھاکہ کی تمام مساجد اور مدرسوں نیز عوام کے ہاتھوں میں اور ہر محلہ میں مفت تقسیم کی گئی اس کتابچہ میں جو بنگلہ زبان میں تحریر کی گئی ہے۔ ملت جعفریہ کے عقائد اصول دین فروع دین پر روشنی ڈالی گئی ہے اور عوام میں جو غلط فہمیاں عرصہ سے چلی آ رہی تھیں جن سے عوام شیعوں سے متنفر تھے دور کیا گیا ہے اور شیعیت کے مفہوم و معانی سے ان کو مطلع کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی چہاردہ معصومینؑ کی تاریخ ولادت اور شہادت اور ان کے زمانے میں جو علماء مومنین اور امام اہل سنت والجماعت کے گزرے ہیں تحریر کیا گیا ہے۔ عوام میں یہ

اللہ تعالیٰ - رسولؐ اور اہلبیتؑ کی معرفت رکھنے والے کی موت شہادت ہے

(بزبان امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام)

احمدہ شکراً لانعامہٖ، و استعینہٗ علیٰ وظائف حقوقہٖ عزیز الجند، عظیم المجد، واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ دعا الیٰ طاعتہٖ، وقاہر اعداءہٗ جہاداً علیٰ دینہٖ۔ لا یثنیہ عن ذالک اجتماع علیٰ تکذیبہٖ والتماس لاطفاء نورہٖ۔ فاعتصموا بتقوی اللّٰہ فان لہا حبلاً وثیقاً عروتہٗ ومعقلاً منیعاً ذروتہٗ۔ وبادروا الموت فی غمراتہٖ۔ وامہدوا لہ قبل حلولہٖ، واعدوا لہ قبل نزولہٖ۔ فان الغایۃ القیامۃ و کفی بذالک واعظاً لمن عقل، و معتبراً لمن جہل۔ وقبل بلوغ الغایۃ ما تعلمون من ضیق الارماس، وشدۃ الابلاس، وہول المطلع، وروعات الفزع، واختلاف الاضلاع واستکاک الاسماع، وظلمۃ اللحد، وخیفۃ

میں اُس کے انعامات کے شکریہ میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اُس کے حقوق سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسی سے مدد چاہتا ہوں، وہ بڑے لاؤ لشکر اور بڑی شان والا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندہ اور رسول ہیں جنہوں نے اُس کی اطاعت کی طرف لوگوں کو بُلایا اور دین کی راہ میں جہاد کر کے اُس کے دشمنوں پر غلبہ پایا۔ اُن کے جھٹلانے پر لوگوں کا ایکا کر لینا اور اُن کے نور کو بجھانے کے لئے کوشش و تلاش میں لگے رہنا ان کو اس (تبلیغ و جہاد) کی راہ سے ہٹا نہ سکا۔ اب تم کو لازم ہے کہ خوفِ الٰہی سے چپکے رہو۔ اس لئے کہ اس کی ریسمان کے بند بہت مضبوط اور اُس کی پناہ کی چوٹی ہر طرح محفوظ ہے اور موت اور اس کی سختیوں (کے چھا جانے) سے پہلے توشہ و اعمال اپنے پورے کر دو اور اُس کے آنے سے پہلے اس کا سروسامان کر لو اور اس کے وارد ہونے سے قبل تہیّہ کر لو۔ کیونکہ آخری منزل قیامت ہے اور یہ عقلمند کیلئے نصیحت دینے اور نادان کے لئے عبرت بننے کیلئے کافی ہے اور اس آخری منزل کے پہلے تم جانتے ہی ہو کہ کیا کیا ہے قبروں کی تنگنائی، برزخ کی ہولناکی، خوف کی دہشت

الرعد، وغم الضریح، و ردم الصفیح. فالله الله عباد الله فان الدنیا ماضیة بکم علی سنن وانتم والساعة فی قرن. وکانها قد جاءت باشراطها، وازفت بافراطها، ووقفت بکم علی صراطها وکانها قد اشرفت بزلازلها و اناخت بکلاکلها. وانصرمت الدنیا باهلها، واخرجتهم من حضنها. فکانت کیوم مضی او شهر انقضی، وصار جدیدها رثا، و سمینها غثا. فی موقف ضنک المقام، وامور مشتبهة عظام. ونار شدید کلبها، عال لجبها، ساطع لهبها، متغیظ زفیرها. متأجج سعیرها، بعید خمودها، ذاکٍ وقودها، مخیف وعیدها، عم قرارها، مظلمة اقطارها، حامیة قدورها، فظیعة امورها. و سیق الذین اتقوا ربهم الی الجنة زمرا. قد امن العذاب، وانقطع العتاب، وزحزحوا عن النار، و اطمانت بهم الدار، ورضوا المثوی والقرار. الذین کانت اعمالهم فی الدنیا زاکیة، واعینهم باکیة. و کان لیلهم فی دنیاهم نهارا، تخشعا واستغفارا. وکان نهارهم

(فشارِ قبر سے) پسلیوں کا اِدھر سے اُدھر ہو جانا، کانوں کا بہراپن، لحد کی تاریکی، عذاب کی دھمکیاں، قبر کے شگاف کا بند کیا جانا۔ اور اس پر پتھر کی سلوں کا چن دیا جانا۔ اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! ڈرو کیونکہ دنیا تمہارے لئے ایک ہی ڈھرے پر چل رہی ہے اور تم اور قیامت ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے ہو گویا کہ وہ اپنی علامتوں کو آشکارا کر چکی ہے۔ اور اپنے جھنڈوں کو لیکر قریب پہنچ چکی ہے۔ اور تمہیں اپنے راستہ پر کھڑا کر دیا ہے۔ گویا کہ وہ اپنی مصیبتوں کو لے کر تمہارے سر پر کھڑی ہوئی ہے۔ اور اپنا سینہ ٹیک دیا ہے۔ اور دنیا اپنے بسنے والوں سے کنارہ کر چکی ہے اور انہیں اپنی آغوش سے الگ کر دیا ہے۔ گویا کہ وہ ایک دن تھا جو بیت گیا اور ایک مہینہ تھا جو گزر گیا۔ اسکی نئی چیزیں پرانی اور موٹے تازے (جسم) دبلے ہو گئے۔ ایک ایسی جگہ میں پہنچ کر جو تنگ اور دشوار ہے اور ایسی چیزوں میں (پھنس کر) جو پیچیدہ و عظیم ہیں اور ایسی آگ میں (پڑ کر) جس کی ایذائیں شدید، چیخیں بلند، شعلے اٹھتے ہوئے، بھڑکنے کی آوازیں غضبناک، لپٹیں تیز، بجھنا مشکل، بھڑکنا تیز، خطرات وحشتناک، گہراؤ نگاہ سے دور، اطراف تیرہ و تار (انگیٹھیں) دیگیں کھولتی ہوئی اور تمام کیفیتیں سخت و ناگوار ہیں اور جو لوگ اللہ کا خوف کرتے تھے انہیں جوق در جوق جنت کی طرف بڑھایا جائیگا وہ عذاب سے محفوظ، عتاب و سرزنش سے علیحدہ، اور آگ سے بری ہونگے۔ گھر ان کا پرسکون اور وہ اپنی منزل و جائے قرار سے خوش ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دنیا میں اعمال پاک و پاکیزہ تھے اور آنکھیں اشکبار

إلّا توحّشاً وانقطاعاً. فجعل الله لهم الجنة مآباً، والجزاء ثواباً، وكانوا أحق بها وأهلها. في ملك دائم، ونعيم قائم.

فارعوا عباد الله ما برعايته يفوز فائزكم. وبإضاعته يخسر مبطلكم وبادروا آجالكم بأعمالكم، فإنكم مرتهنون بما أسلفتم، ومدينون بما قدمتم. وكأن قد نزل بكم المخوف. فلا رجعة تنالون، ولا عثرة تقالون. استعملنا الله وإياكم بطاعته وطاعة رسوله، وعفا عنا وعنكم بفضل رحمته. الزموا الأرض واصبروا على البلاء، ولا تحرّكوا بأيديكم وسيوفكم في هوى ألسنتكم، ولا تستعجلوا بما لم يعجله الله لكم، فإنه من مات منكم على فراشه وهو على معرفة حق ربه وحق رسوله وأهل بيته مات شهيداً ووقع أجره على الله، واستوجب ثواب ما نوى من صالح عمله. وقامت النية مقام إصلاته لسيفه. وإن لكل شيء مدة وأجلاً.

(نہج البلاغہ)

رہتی تھیں دنیا میں انکی راتیں خضوع وخشوع اور توبہ و استغفار میں (بیداری کی وجہ سے) دن اور دن لوگوں سے متوحش وعلیحدہ رہنے کے باعث ان کیلئے رات تھے تو اللہ نے جنت کو انکی جائے بازگشت اور وہاں کی نعمتوں کو ان کی جزا قرار دیا ہے اور وہ اسکے سزاوار اور اہل وحقدار تھے اس ہمیشہ رہنے والی سلطنت اور برقرار رہنے والی نعمتوں میں۔

لہذا اے خدا کے بندو! ان چیزوں کی پابندی کرو جن کی پابندی کرنے سے تم میں سے کامیاب ہونیوالا کامیاب اور انہیں ضائع وبرباد کرنے سے غلط کار نقصان رسیدہ ہوگا موت آنے سے پہلے اعمال کا ذخیرہ مہیا کر لو۔ اس لئے کہ جن اعمال کو تم آگے بھیج چکے ہوگے انہی کے ہاتھوں میں تم گروی ہوگے اور جو کار گزاریاں انجام دے چکے ہوگے انہی کا بدلہ پاؤگے اور یہ سمجھتے رہنا چاہئے کہ گویا موت تم پر وارد ہو چکی ہے جس کے بعد نہ تو تمہارے لئے پلٹنا ہے اور نہ گناہوں اور لغزشوں سے دستبرداری کا موقع ہے، خداوند عالم ہمیں اور تمہیں اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کی توفیق دے اور اپنی رحمت کی فراوانیوں سے ہمیں اور تمہیں (امن عفو میں جگہ دے زمین سے چپکے رہو، بلاؤ سختی کو برداشت کرتے رہو اور اپنی زبان کی خواہشوں سے مغلوب ہو کر اپنے ہاتھوں اور تلواروں کو حرکت نہ دو اور جن چیزوں میں اللہ نے جلدی نہیں کی ان میں جلدی نہ مچاؤ۔ بلاشبہ تم میں سے جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور ان کے اہلبیت کے حق کو پہچانتے ہوئے بستر پر بھی دم توڑے وہ شہید مرتا ہے اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جس عمل خیر کی نیت اس نے کی ہے اس کے ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی یہ نیت تلوار کھینچنے کے قائم مقام ہے۔ بیشک ہر چیز کی

مدت ہوئی امام کو مہماں کئے ہوئے

(امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد میں)

(از شاعرِ معارف اسلام الحاج آقائی سید الف شاہ پاکنہاد مدظلہ)

توضیح :- جناب آقائے سید الف شاہ صاحب ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

"محرم کی آٹھویں تاریخ تھی۔ میں اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا محوِ خیالات تھا۔ ناگہاں مرحوم مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کی ایک مشہور نظم کا مطلع میری زبان پہ جاری تھا "مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے"۔ یہ کیا؟ کس مناسبت سے؟ نفسِ امارہ یا لوامہ کو یہ کیا سوجھی؟ ایامِ مصیبت و شہادت امام حسین علیہ السلام میں غزل سرائی یعنی چہ؟ دل میں خلش سی محسوس ہوئی مگر میں نے بتائیدِ الٰہی مقتضیاتِ وقت کے تحت غالبؔ کی غزل کا اُسی کے بحر و قافیہ و ردیف میں استقبال کیا اور اپنے مرشدِ کامل کے حضور میں ایک سلام لکھ کر غالبؔ کی بزمِ سخن کو محرم کی ایک بزمِ ماتم میں تبدیل کر دیا۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ۔ سید الف شاہ عفی اللہ عنہ"

مدت ہوئی امام کو مہماں کئے ہوئے
خونِ بدن سے بزم چراغاں کئے ہوئے

تڑپے ہے پھر رگوں میں مرے جسم کا لہو
عزمِ ظہور وصلِ شہیداں کئے ہوئے

تاکے ہے جسم کو مرے زنجیرِ ماتمی
تیغِ نگہ کو جوہرِ ہجراں کئے ہوئے

چاہتا ہوں پھر دکھاؤں بہارِ دل و جگر
زخموں کو ارغوانی و عریاں کئے ہوئے

ہر زخمِ تن مرا ہے کشادہ دہن بذوق
صد آرزو بوصلِ نمکداں کئے ہوئے

پھر متحد ہے لشکرِ اعدا خلافِ حق
حصنِ شعور و عقل کو ویراں کئے ہوئے

نکلے ہیں اب حسینؑ کریں حق کو آشکار
راہِ خدا میں وقف دل و جاں کئے ہوئے

جی چاہتا ہے پھر کہ رہیں روتے عمر بھر
یادِ حسینؑ و شامِ غریباں کئے ہوئے

قرباں ترے اصول پہ اے "نورِ کبریا"
"دینِ نبی" کو تو ہے درخشاں کئے ہوئے

لاکھوں درود تجھ پہ ہوں اے سرورِ انامؑ
اُمت ہے گریاں، حالِ پریشاں کئے ہوئے

سبطینؔ تری شہادتِ عظمیٰ پہ اشکبار
بیٹھا ہے غم میں چاک گریباں کئے ہوئے

رحمت کا منتظر ہے تری - کب تلک ہے
سر زیرِ بارِ منتِ دوناں[1] کئے ہوئے

غالبؔ بھی تھے مگر جو بلایا تو یوں کہا
حزن و الم کو اپنے نمایاں کئے ہوئے

سیدؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

[1] دوناں - کمینے اور خسیس لوگ ۔

مُحرّم کا چاند

(نتیجۂ فکر آغا باقر علی افسرؔ بی اے لاہور)

چرخ پر تھا یوں شبِ اوّل بحالِ زار چاند
جیسے ہو تارِ نگاہِ دیدۂ بیمار چاند

ہو کے خیریت طلب میں نے خطاب اس سے کیا
اے شبستانِ فلک کے رونقِ بازار چاند

کیا ہوا وہ حسن تیرا اور وہ رعنائی تری
چاہ میں ہے کس کی ڈوبا ہو کے شب بیدار چاند

کس کے اکلیلِ صباحت کی تجھے ہے جستجو
اے محیطِ آسماں کے گوہرِ سیّار چاند

کس لئے ہے پھول سا چہرہ ترا اترا ہوا
کر دیا کس کی خلش نے تجھکو مثلِ خار چاند

کس کی فرقت کی چھری سے اس قدر گھائل ہوا
کس کی الفت کے الم سے ہے جگر افگار چاند

تارِ بستر بن گیا گھل گھل کے کس کی یاد میں
ہاں بتا کس کی محبت سے ہے تو سرشار چاند

کس کی ماتم میں بچھایا ہے یہ فرشِ چاندنی
کس شہیدِ بے خطا کا تو ہے ماتم دار چاند

ہے پریشاں کس لئے انجم کی تیری انجمن
کیوں وفورِ غم سے ہے تو نقش بر دیوار چاند

دوش پر ہے کس لئے شالِ سیاہِ شب عیاں
کس کے غم میں دن کی رونق سے ہے تو بیزار چاند

دیکھ کر مجھکو الم میں اس قدر دردآشنا
بن گیا سر تا بپا گویا لبِ گفتار چاند

ماہیِ بے آب کی مانند بے آبی کے ساتھ
پھر لگا کرنے حدیثِ غم کا یوں اظہار چاند

خاکِ غم پر کس لئے تڑپوں نہ بن کر چاندنی
ہے عزادارِ عزائے سیّدِ ابرار چاند

سر کھلے آئیں نظر خیر النساءؑ کی بیٹیاں
کیوں نہ پھر اس رنج سے ہو خوں بے دستار چاند

جب سے آئے چاند زہراؑ کے نظر بے سر مجھے
سر کو ٹکراتا رہے کیونکر سرِ کہسار چاند

سر شہیدوں کے سنانوں پر نظر آئے مجھے
اک افق پر تھے بہتّر مطلعِ انوار چاند

اشتراں بے کجاوہ پر پیمبر زادیاں
سامنے ایک ایک ناقہ کے تھا اک خونبار چاند

ام لیلیٰ کے مقابل فرقِ بشکلِ نبی
سامنے کبریٰؑ کے فرقِ قاسمؑ دلدار چاند

دو سنانوں پر تھے زینبؑ کے وہ دو قرصِ قمر
چار تیروں پر عیاں ام البنینؑ کے چار چاند

تھیں رسن بستہ کھلے سر دخترانِ فاطمہؑ
طشت میں رکھا ہوا اک سرِ سردار چاند

ماتمِ شبیرؑ میں افسرؔ رہے گا عمر بھر
اس الم سے تا دمِ محشر فگار و زار چاند

نوٹ: یہ منقبت بالا دیر سے موصول ہوئی جب شہید نمبر چھپ چکا تھا۔ لہذا اسے جولائی کے شمارے میں شائع کیا جاتا ہے۔ (ا-د)

۲۸ صفر مصیبت عظمہ کا دن

(از شیخ غیاث الدین مدیر معارف اسلام)

"بزرگان دین کی وفات کے دن خوشی منانا" نمعلوم یہ رسم کس نے جاری کی تھی؟ عقل بھی کہتی ہے اور تقاضائے فطرت بھی یہی ہے کہ یوم ولادت کو خوشی ہوتی ہے اور یوم وفات کو سوگ منایا جاتا ہے۔ اور اگر کسی گھر میں ایک ہی دن ولادت بھی ہوئی ہو اور اسی دن اُس گھر میں کسی نے انتقال بھی کیا ہو تو خوشی مفقود ہو جاتی ہے اور غم ہی باقی رہ جاتا ہے۔ کیونکہ جذبۂ غم زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ اسلئے اسے ہی مقدم رکھا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حالت غم میں گناہ کی طرف رغبت نہیں ہوتی اس کے برعکس خوشی لہو و لعب کے لئے محرک ثابت ہوتی ہے —— مگر اس سرزمین میں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بزرگان دین کی وفات کے دن بجائے سنجیدگی، اظہارِ غم اور ایصالِ ثواب کے ایک میلہ قائم کر کے خوشی منائی جاتی ہے۔ اور اُس دن کو اُس بزرگ کا یوم وصال قرار دے کر اُس کے مزار شریف پر سہرے اور چادریں چڑھانے کے لئے جلوس کی صورت میں باجوں اور شادیانوں کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اوّل تو اسلامی اصولوں کی رو سے ذات باری تعالےٰ کے ساتھ کسی کا وصال ناممکن۔ مخلوق کا خالق کے ساتھ وصال کیسا! دوسرے یہ کہ اس بزرگ کی وفات سے پیشتر دنیا جو اُس سے فیض حاصل کر رہی تھی اس کی وفات پر دنیا اس سے محروم ہو گئی اس بات کی خوشی ہونی چاہئے یا اس کے لئے اظہارِ غم زیادہ مناسب ہے؟ خود جبکہ رسولِ خدا سب کی آنکھوں کے سامنے موجود تھے حضرت کے عہد میں کئی اموات ہوئیں۔ خلاً محسنۂ اسلام اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور محسن اسلام حضرت ابوطالبؑ کی وفات مگر حضرتؐ نے ان اموات پر اظہارِ خوشنودی نہیں فرمایا بلکہ تمام سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال قرار دیا۔ خوشی تو تاریخی طور پر حضرت امام حسنؑ مجتبےٰ کی شہادت پر دربار شام میں منائی گئی یا نبی کے دوسرے نواسے حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر شامی فوجوں نے کوفہ و شام میں خوشی منائی اس کے برعکس عالم اسلام میں یعنی خاندانِ رسولؐ، صحابہؓ اور اہل مکہ و اہل مدینہ وغیرہ میں شہادت حسینؑ پر غم منایا گیا حضرت امام حسینؑ کا عرس نہیں قائم کیا گیا —— مگر —— نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یوم وفات بلاشبہ عالمین کے لئے ایک عظیم مصیبت عظمہ کا دن ہے کہ دنیا فیض صحبت نبیؐ سے اس دن محروم ہوئی۔ وفات نبیؐ کے دن مدینہ میں کہرام مچا ہوا تھا۔ در و دیوار گریہ و بکا کر رہے تھے کافروں کے گھر میں خوشی ہو رہی ہوگی —— آج عید میلاد النبیؐ تمام دنیا میں بڑے تزک و احتشام

سے منائی جاتی ہے۔ سُنّی مسلمان اپنی تحقیقات کی رو سے ۱۲ ربیع الاوّل کو مناتے ہیں اور شیعہ مسلمان خاندانِ رسالت کے فرمودات اور بالخصوص آئمہ طاہرین کی تصدیق و توثیق کے مطابق ۱۷ ربیع الاوّل کو مناتے ہیں۔ اور مِل جُل کر مناتے ہیں۔ مگر خدارا "یوم وفات النبیؐ" جو ولادت سے زیادہ مؤثر اور زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس کا منانا بھی تو کم از کم ہر کلمہ گو کا فریضہ ہونا چاہئے۔ اور اس دن مکمل آداب پاکیزگی اور سنجیدگی کے ساتھ شایانِ شان طریقے سے محسنؐ عالمین کے دربار میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنا چاہئے۔ بلاشبہ اس دن کا منانا عالمِ انسانیت کے لئے زیادہ بابرکت اور بہ نسبت میلاد کے زیادہ کارِ ثواب ہوگا ——— اولادِ رسولؐ یعنی آئمہ اہلبیتؑ کے فرمودات کے مطابق ۲۸ صفر سنہ ۱۱ ہجری حضرتؐ کا یوم وفات ہے اور سالکانِ مسلکِ کتاب اللہ و عترتؑ اس دن یوم وفات مناتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ جس طرح ایام میلاد ایک ہفتہ تک یعنی ۹ - ۱۰ ربیع الاوّل سے لیکر ۱۷ ربیع الاوّل تک منائے جاتے ہیں۔ اسی طرح یوم وفات النبیؐ کے لئے بھی چند دن وقف کر دیئے جائیں اور ۲۸ صفر کو مخصوص دن قرار دیکر اس دن تمام اہلِ اسلام حضرتؐ کی یاد میں مجالس قائم کریں اور بڑی سنجیدگی اور آداب و احترام کے ساتھ کلام خدا و اذکارِ سیرت رسولؐ بیان کر کے نذر رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کریں۔

۲۸ صفر کا دن نہ صرف یوم وفات پیغمبر آخرالزمانؐ ہے بلکہ حضورؐ کے جگر گوشہ اور راحتِ جان امام دوم حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یوم شہادت بھی ہے اسی دن حضورؐ نے سازشی گروہ کے زہر دیئے جانے سے نبی اکرمؐ کی شہادتِ خفی کی تکمیل فرمائی تھی۔ دو معصوموں کی شہادت کا دن مسلمانانِ عالم کے لئے ایک بڑی مصیبت اور سوگ کا دن ہے۔ اس دن ہر محب رسولؐ کا فرض ہے کہ کسی بھی امر میں اظہار خوشنودی مکمل طور پر ترک کرلے۔ اور اپنے ذاتی امور میں بھی دلچسپی کا اظہار نہ کرے بلکہ یاد رسولؐ و نواسۂ رسولؐ میں اپنا دن بسر کرے اور اسی ضمن میں مخصوص اعمال کو مکمل طور پر انجام دیوے۔ اور زیارت جناب سرورِ عالمین اور زیارت جناب امام حسنؑ سید الشباب اہل الجنۃ پڑھے جو مندرجہ ذیل ہیں:-

مختصر زیارت جناب رسولؐ خدا یہ ہے:-

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَفْوَةَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْنَ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ نَصَحْتَ

لَاَتَيْتَكَ وَجَاهَدْتَ فِيْ سَبِيْلِ رَبِّكَ وَعَبَدْتَهُ حَتّٰى اَتَاكَ الْيَقِيْنُ
فَجَزَاكَ اللّٰهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفْضَلَ مَاجَزٰى نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ مَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ (مخصوص اوقات اس زیارت کے پڑھنے کے یہ ہیں:-

۱۷ ربیع الاول کہ روز ولادت ہے اور ۲۸ صفر کہ روز وفات ہے۔ اور ۲۷ رجب کہ شب شب معراج ہے اور دن روز بعثت ہے اور ۱۱ رمضان کہ روز فتح بدر ہے اور ۲۰ رمضان کہ روز فتح مکہ ہے اور ۲۴ رجب روز فتح جنگ خیبر ہے۔ اور ۲۴ ذوالحجہ کہ روز مباہلہ ہے اور یکم ربیع الاول وقت شب کہ شب ہجرت ہے اور ۱۵ رجب کہ حضرت شعب ابیطالب سے باہر آئے اور ۱۸ جمادی الآخر کہ جناب آمنہؑ والدہ ماجدہ جناب رسولِ خدا حاملہ ہوئیں اور ۱۰ ربیع الاول کہ اسی روز جناب رسالتمآب نے ام المومنین خدیجہ کبریٰؑ سے عقد فرمایا۔

مختصر زیارت حضرت امام حسنؑ مجتبیٰ یہ ہے:-

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَقِيَّةَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَابْنَ اَوَّلِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَيْفَ لَا
تَكُوْنُ كَذٰلِكَ وَاَنْتَ سَبِيْلُ الْهُدٰى وَحَلِيْفُ التُّقٰى وَخَامِسُ
اَصْحَابِ الْكِسَاءِ غَذَّتْكَ يَدُ الرَّحْمَةِ وَرُبِّيْتَ فِيْ حِجْرِ الْاِسْلَامِ
وَرُضِعْتَ مِنْ ثَدْيِ الْاِيْمَانِ فَطِبْتَ حَيًّا وَطِبْتَ مَيِّتًا غَيْرَ اَنَّ
الْاَنْفُسَ غَيْرُ طَيِّبَةٍ بِفِرَاقِكَ وَلَا شَاكَّةٍ فِي الْحَيٰوةِ لَكَ
يَرْحَمُكَ اللّٰهُ مخصوص ایام اس زیارت کے پڑھنے کے یہ ہیں:-

۱۵ رمضان کہ روز ولادت ہے اور ۲۸ صفر کہ روز شہادت ہے اور ۲۳ رجب کہ دست خوارج سے مجروح ہوئے اور ۲۴ ذوالحجہ کہ روز مباہلہ ہے اور ۲۵ ذی الحجہ کہ روز نزول سورہ ہل اتیٰ ہے اور ۲۱ رمضان کہ روز خلافت و وصایت ہے (منقول از کتاب تحفۃ العوام)

ضروریاتِ وقت اور قوم کی قیادت

(از ہمدردِ ملت خواجہ غلام محمد صاحب اصفہانی مدظلہ۔ لاہور)

ڈھونڈتے ہیں اب مداوا سوزشِ غم کے لئے
کر رہے زخمِ دل فریاد مرہم کے لئے

یوں تو قوم کی صحیح قیادت کے لئے بلا لحاظ زمان و مکان ہر وقت ضرورت ہے۔ لیکن موجودہ دور تو خاص کر نونہالان قوم کے لئے مہد سے لحد تک راہنمائی کی اشد ضرورت کا احساس کرا رہا ہے۔ بلکہ میں یوں کہوں گا کہ شکم مادر میں آنے کے روزِ اول سے ہی ایک نوع کی قیادت یا بالفاظ دیگر تربیت ہو جاتی ہے۔ جس کے لئے اس کی معلمۂ اول ماں ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ ماں اپنے لئے ایک عمدہ خوشگوار ماحول پیدا کرے۔ خود خوش رہے اور قریبی متعلقین کے لئے باعث خوشنودی ہو۔ خیالات نیک و پاکیزہ رکھے۔ خورد و نوش میں حرام و حلال کی تمیز کرے۔ عمدہ لباس۔ معقول گفتگو۔ صحیح اخلاق۔ مزاج میں سلامت روی و بردباری پیدا کرے۔ ذکرِ خدا و رسول میں مشغولِ عبادت رہے۔ اس پر باپ کی نگرانی حتی الامکان عشق کی کشتی کو گرداب اور موجوں کے تھپیڑوں کی دست برد سے بچاتی رہے۔ اس کے بعد عالم وجود میں آتے ہی ماں کی ظاہری تربیت شروع ہو جاتی ہے۔ اور باپ کی نگرانی بدستور کارفرما رہتی ہے۔ یہاں تک بچہ تقریباً چار سال کی عمر میں داخل ہوتا ہے۔ پھر ہماری قوم کا دینی فریضہ ہے کہ بچے کو کلمہ طیبہ کا جزو اول تعلیم کرے۔ جو ہر روز دہرایا جائے۔ یہاں تک کہ پانچویں سال میں قدم رکھے تو مع کلمہ طیبہ کے بقایا جزو کے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اسمائے گرامی از بر کرائے جائیں۔ اس کے بعد تدریس مکتب میں استاد کی راہنمائی والدین کے علاوہ شروع ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی ماحول کا اثر پذیر ہونا بھی ابتدائی تعلیم کے مترادف ہوتا ہے۔ اس پر بچہ اگر واقعی کسی ذی شعور و ذی حس قوم کے سلسلہ کی کڑی ہے۔ تو قومی امانت سمجھ کر قوم کو عملاً اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئیے۔ کیونکہ وہی بچہ صاحب اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ کا حامل ہونے سے قوم کے لئے باعث صد فخر و مباہات ہوگا۔ اگر نا اہل ہوا تو قوم کے لئے بھی باعث تضحیک و ندامت و رسوائی ہو سکتا ہے۔ کوئی غیور و خود دار قوم کسی صورت میں کسی قسم کا بدنما داغ اپنے دامنِ عصمت پر قبول نہ کرے گی۔ اس STAGE کے والدین۔ اساتذہ

کرام کی تربیت و نگرانی کے علاوہ صحیح قسم کی قومی قیادت شروع ہوتی ہے۔ اب زندہ قوم کے لئے لازمی ہونا چاہئے۔ کہ والدین کی وساطت سے بچے کی نگرانی براہ راست یا بذریعہ والدین اس طرح کرے کہ بچے کا مستقبل خود بخود قومی سانچہ میں ڈھلنا شروع ہو جائے۔ حتی کہ پانچ سال کی عمر سے لے کر ۱۵ سال کی عمر تک اصول و فروع دین سے اس قدر بہرہ مند ہو جائے کہ نماز روزہ اور دیگر احکام شرعی پر بغیر کسی بیرونی امداد کے کاربند ہو سکے اور کم و بیش تمام امور نیک و بد حرام و حلال کی تمیز کر سکے۔ اور دینی۔ دنیوی اور صنعتی تعلیم بھی جزواً یا کلیتہً اس عرصہ میں موجودہ مروجہ نصاب کے مطابق میٹرک تک تکمیل کرلے۔ اس کے علاوہ کچھ تجارتی اصولوں سے بھی بچے کو بہرہ یاب کیا جائے۔ صنعتی تعلیم سے مراد۔ انجینئرنگ۔ سائنس۔ خرادی۔ نجاری یا اسی نوع کی موجودہ صنعتوں میں سے کسی ایک صنعت میں اس عمر تک اس قدر دسترس حاصل کرلے کہ اس کے بعد وہ اس قابل ہو جائے کہ اپنی طبیعت کا رجحان بیان کر سکے اور عملاً ثبوت دے سکے کہ آئندہ اس نے کیا کرنا ہے۔ پھر بچے کے یہاں تک پہنچنے کے بعد راہنمایان قوم کے لئے لازمی ہے کہ جو صورت بھی ہو سکے ایسے سکول کا انتظام کریں جس سے قوم کے بچے قائدین قوم کے نصب العین کے مطابق یہاں تک پہنچیں تو اس قسم کے COLLEGES مناسب و معقول موقعوں پر قومی سرمایہ سے تعمیر کریں اور بچوں کے استعداد علمی رجحان طبیعت کے مطابق ان کو تقسیم کیا جائے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہونگے جو تجارت کی طرف راغب ہونگے۔ بعضوں کا آئندہ اعلیٰ اور بلند معیار کی تعلیم کی طرف میلان ہوگا۔ اور کچھ ایسے ہونگے جو صنعت و حرفت کے دلدادہ ہونگے اس طرح جو جس قابل ہو تقسیم کر دیا جائے۔ صنعت و حرفت میں شوق رکھنے والے کے لئے ایسے صنعتی اداروں میں جہاں وہ صنعت مرغوب کی تکمیل کرکے فارغ التحصیل ہو کر قابل صناع بن سکیں داخل کر دیا جائے۔ تجارت میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اسی قسم کا ماحول پیدا کر دیا جائے کہ قائدین قوم قومی تاجروں کا بورڈ مرتب کرکے ان کے مشورہ سے ایک تجارتی شعبہ تعین کرکے اس کی ہدایت کے مطابق ان افراد قوم کی سرپرستی کریں۔ بچے کے والدین و لواحقین کی ذمہ داری ہو اس کو تیار کرکے مارکیٹ میں اس کی آئندہ زندگی کے لئے ماحول پیدا کر دیا جائے۔ جو اعلیٰ معیار کی تعلیم کا شوق رکھتے ہوں ان کے لئے EDUCATIONAL COLLEGE قومی سرمایہ سے قائم کئے جائیں۔ اور پھر ایسی درسگاہوں کو جس قدر وسعت دی جائے کم ہے۔ اور ۲۰ - ۲۵ سال کی عمر تک جس شعبہ تعلیم کے اہل ثابت ہوں اس کو مکمل کرلیں۔ اس طرح قوم کے ہر فرد پہ قومی قائدین کا دست حق پرست پوری طرح اثر پذیر رہے گا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذرائع تنظیم۔ قائدین کا صحیح انتخاب اور تیسرا فنڈ مہیا کرنے کے

لئے کیا ہونا چاہئے؟ ان تینوں سوالوں کا جواب صرف ایک ہی ہے۔ وہ یہ کہ جو قوم کسی غلط قیادت کے تحت لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ نمائش و نمود و دماغی عیاشی کے لئے ہر سال جس میں سوائے نشستن، گفتن و برخاستن کے کوئی فائدہ بجز نقصان کے نہیں کر رہی۔ اور مصرف بے جا کر کے غیر و غیر اپنوں کی مورد طعن و تشنیع اور مرکز تضحیک بن رہی ہے۔ کیا وہ ٹھوس اور تعمیری مقاصد اور قومی معیار کو بلند کرنے کے لئے اور تخریبی کارروائیوں سے محفوظ رہنے کے لئے کروڑوں روپیہ کی رقم کچھ عرصہ کے لئے محفوظ کر کے اس قسم کے لائحہ عمل پر اقدام نہ کرے گی؟ جس سے لیڈرشپ کی بہتات خود بخود ختم ہو جائے۔ یقیناً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ صرف ہماری ہی قوم ایسی قوم ہے جو زندگی کے کسی شعبہ میں ہر کس و ناکس کو اپنا قائد تسلیم کرنا اصولاً برداشت نہیں کرتی۔ تاوقتیکہ وہ اس معیار پر جو شارع مقدس اور آئمہ طاہرین کے فرمانے پر پورا نہ اترے بلکہ جو بچہ اس نظام قومی کے ماتحت پل کر جوان ہوگا۔ اسے فطرتی طور پر اپنی قوم کے نیک و بد کا احساس ہوگا۔ اور وہ اسے کسی طرح اپنے دل و دماغ سے نہیں نکال سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قوم و ملت کے لئے بہت مفید ثابت ہو اور قوم کی کشتی کو گرداب کے خطروں وغیرہ سے دوچار ہونے سے قبل ہی اس کا تدارک کرے۔ اور خود قوم کی صحیح قیادت کا اپنے آپ کو اہل ثابت کر سکے۔ صحیح قیادت کا معیار، صحیح قائد کا دینی و علمی و عملی تبحر، جذبۂ ایثار فارغ از جاہ و ہوس سے قائد کی قیادت ہی ہو سکتی ہے اور وہ قیادت انتہائی غلط ہے جو اپنی چرب زبانی اور تحت الشعور بھی حصول زر و وجاہت کے جذبات سے مملو ہے۔ کیونکہ یہ عنصر تنظیم نہیں تخریب پیدا کر رہا ہے۔ بلکہ قیادت نہیں قیامت برپا کر رہا ہے جس سے قوم کو ساحل مراد کی طرف لے جانے کی بجائے قعر مذلت میں دھکیل رہا ہے۔ میرے خیال میں صحیح قیادت قوم کا لائحہ عمل جو روحانی قیادت کے تحت آغا سید حسن بلتستانی صاحب کراچی ایک خاموش جہاد کی صورت میں کر رہے ہیں کسی حد تک کامیاب نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ وہ کچھ اسی قسم کی صحیح قیادت کی جستجو میں وقف ہو چکے ہیں۔ اگرچہ بدقسمتی سے میری بعض مجبوریوں نے ان سے ملاقات کا موقع نہ دیا نہ ان کے صحیح خیالات سے مستفیض ہو سکا۔ تاہم ان کی بے لوث جدوجہد انشاءاللہ قوم کو ضرور ایک دن ساحل کامیابی سے ہمکنار کر دے گی۔ خدا ان کے ارادوں میں برکت و استقامت بخشے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ قوم جس میں لیڈروں کی بہتات ہو چکی ہو اور ہر ایک نیک و بد عالم و جاہل یا مخلص یا بددیانت کیلئے لیڈر بننے کے لئے کھلی چھٹی ہو۔ کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ کوئی کنٹرول نہ ہو۔ جو سوائے تخریبی کارروائیوں میں منہمک ہونے والے عنصر کی پرورش اور ان کے جلب منفعت کو سمجھتے ہوئے بھی ان کی بے راہ روی کی اس نظر بد سے اعانت کر رہی ہے کہ شاید یہ کسی دن اپنے اقوال کو اپنے افعال کے مطابق کر کے کوئی صحیح ٹھوس

تعمیری لائحہ عمل کس طرح قوم کے سامنے پیش کریں جس کی انہیں خود بھی کم توقع ہے۔ ضرور صحیح اور تعمیری پروگرام کے لئے اپنی بساط سے زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر کسی تبلیغ سے دریغ نہ کرے گی آیت کا ترجمہ ہے:۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم معصومینؑ کے مسلک کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور ہمارا کوئی کام پاکیزگی کی حدود سے باہر نہ ہونا چاہئے معصومینؑ کی تعلیمات و ہدایات ہمارے پاس موجود ہیں انہوں نے قائد کے لئے صفات مقرر فرما دیئے ہیں۔ پس جو کوئی بھی ہمارا قائد بنے اُس میں معصومینؑ کی فرمودہ صفات و شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اور جو ان صفات و شرائط سے متصف نہیں وہ کسی طرح بھی ہمارا قائد بننے کا اہل نہیں۔ (خواجہ غلام محمد اصفہانی)

بقیہ:۔ کتاب نصرت غیبی اور حسینؑ کا ایک ورق۔ (صفحہ ۲۴)

کتابوں میں ایسے ہی مذکور ہے۔ جیسے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر فرعون اس کی قوم اور اسی قسم کے دوسرے لوگوں کا تذکرہ ہے۔ اور یہ بھی اس لئے تاکہ رات کی ظلمت سے دن کی بھرا فزا روشنی ممتاز ہو سکے۔ کیونکہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ یعنی اشیاء اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نصرت الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ امام حسینؑ اور ان کے جان نثاروں کے نام زندہ جاوید رہتے۔ اور اسی مقصد کے لئے خدا نے ان کے مخالفین کا ذکر بھی کتابوں میں باقی رکھا۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے کہ ایک باغبان پھلدار درختوں۔ خوشبودار اور خوبصورت پھولوں کی حفاظت کے لئے ان کے گرد خاردار جھاڑیوں یا تھوہر وغیرہ ایسے جنگلی درختوں کی باڑ لگا دیتا ہے۔ حالانکہ حقیقی مقصد خاردار جھاڑیوں یا تھوہر وغیرہ کی حفاظت نہیں ہوتا۔ بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ثمردار درختوں اور پھولوں کی حفاظت ہو۔ تاکہ طویل عرصہ تک ان سے نفع حاصل ہوتا رہے۔

پس سرکشوں اور مخالفوں کی ہلاکت کے پہلو میں بھی خدا کی نصرت نہایت روشن طریق پر امام حسینؑ کو حاصل ہوئی۔ کہ خدا نے ان کے جھٹلانے والوں اور رقابتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ بلکہ ان کی نسلوں کو سابقہ اُمتوں کے سرکشوں کی طرح قطع کر کے انہیں مقطوع النسل کر دیا۔ یزید کی سلطنت مٹ گئی۔ لیکن حسینی سلطنت اب بھی قائم ہے۔ اور جب تک شمس و قمر قائم ہیں جب تک رات اور دن کی گردش باقی ہے جب تک یہ دنیا باقی ہے۔ باقی رہے گی +

کتاب "نصرت غیبی اور حسینؑ کا ایک ورق"[1]

(از جناب فضیلت مآب مولوی فرزند علی صاحب مدظلہٗ۔ (فیروزپوری))

کرب عظیم سے نجات کی شکل میں امام حسینؑ کی نصرت :-

"کرب عظیم سے مراد وہ دردِ پنہانی۔ وہ سوزشِ قلبی۔ وہ جانگداز خلش ہے جو ہر وقت جناب امام حسینؑ کو بے چین و مضطرب رکھتی تھی۔ جناب رسالت مآبؐ کی رحلت کے بعد سے ہی دیکھ رہے تھے کہ حقیقی وارثانِ جناب رسالت مآبؐ کو کس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ کس طرح ان کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے۔ کس طرح ان کی تذلیل و توہین کے حربے اختیار کئے جاتے ہیں۔ تاکہ خلائق کے قلوب سے اُن کی عظمت و توقیر کے اثرات کو کم کیا جا سکے۔ لیکن پھر بھی ایک طویل عرصہ یعنی امام حسنؑ کی شہادت کے بعد دس سال نہایت صبر و سکون اور خاموشی سے گزار دیئے لیکن ۶۰ھ میں تو حالات اس حد تک پہنچ گئے۔ کہ نانا کا دین بھی مٹتا نظر آیا۔ اسلام کی صورت بدلتی نظر آئی۔ کلمہ طیبہ کی بنیاد اکھڑتی نظر آئی۔ اور نوبت بہ صراحت خود جناب امامؑ سے بھی سختی کے ساتھ بیعت کا مطالبہ شروع ہوگیا۔ تاکہ یزید کے خلافِ شریعت افعال و اعمال پر فرزند رسولؐ کی بیعت سے مہر تصدیق لگ جائے۔ اور پھر دنیا کا کوئی فرد بشر اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کر سکے اور مسندِ رسولؐ کے حقیقی وارث کی بیعت سے یزید کو صحیح اور جائز جانشین رسالت مآبؐ سمجھنے میں کسی کو شک و شبہ اور پس و پیش نہ ہو۔ بس یہی وہ کرب عظیم تھا۔ یہی وہ دردِ پنہاں تھا جس کے اثرات نے جناب امامؑ کو انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور کر دیا۔

مت سمجھئے کہ جناب امامؑ اور ان کے اعزا و رفقا کی تکالیف سفر۔ تین روز کی بھوک اور پیاس۔ نیزہ و تیر و تلوار کے زخم اور آخر کار جناب امامؑ کی پُر درد اور عدیم النظیر شہادت یہ سب چیزیں آیاتِ قرآنی کے الفاظ "کرب عظیم" کی پوری تفسیر ہیں۔ بلاشبہ لغوی معنی کے لحاظ سے یہ سب چیزیں بذاتِ خود "کرب عظیم" بلکہ اس سے بھی اگر کوئی بزرگ تر لفظ لغت میں موجود ہو تو اس کی مصداق ہیں اور عام انسانی قوتِ برداشت سے باہر ہیں۔ اور یہی وہ چیزیں تھیں جنہوں نے

[1] یہ مفید دلچسپ اور حقائق آگاہ کتاب ۸۰ پیسے و خرچ ڈاک پر دفتر ادارہ معارف اسلام سے حاصل کریں

اس شہادت عظمیٰ کو لاثانی ۔ لافانی اور بے مثل بنا دیا ۔ اور عالم انسانیت کی تاریخ میں کوئی واقعہ اس دردناک سانحہ کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا ۔ مگر ہمارا نظریہ اور مقصود تو یہ ہے ۔ کہ کرب عظیم کے الفاظ کا حقیقی مفہوم دین کی تباہی اور اسلام کی بربادی کا خوف ہے کہ جس نے جناب امامؑ کی زندگی اجیرن کر دی تھی ۔ اور یقیناً جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا کرب نہیں ہو سکتا ۔ اور اسی کرب عظیم سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان تمام مصائب کے مراحل طے کئے گئے اور یہی وہ کرب عظیم تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے امام حسینؑ کو نجات دی ۔ اور ان مراحل کے طے کرنے میں جن کے بغیر کرب عظیم سے نجات حاصل نہ ہو سکتی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے امامؑ کی ہر ہر قدم پر نصرت اور تائید کی ۔

ورنہ حضرات غور فرمایئے کہ کون ماں کا لال ایسا ہے جو تائید ربانی کے بغیر امتحانات کے ایسے عمیق اور خوفناک سمندر پھاند جائے ۔ کون ہے ۔ جو مصائب کے ایسے خوفناک طوفان میں کود پڑے ۔ کون ہے جو شدائد کے ایسے آتشیں دریا پار کر جائے ۔ کربلا وہ منزل تھی جہاں ہر ہر قدم پر امتحان کا سامنا تھا ۔ اور یہ نصرت الٰہی اور تائید ایزدی ہی تھی کہ جناب امامؑ کے قدم مبارک کو ذرہ بھر جنبش نہ ہوئی ۔ اور آپ نے اپنی بے مثل قربانی کے ذریعہ کرب عظیم سے نجات حاصل کی اور اپنی شہادت سے قبل یہ اطمینان حاصل کر لیا ۔ کہ میں وہ کام کر چلا ہوں ۔ کہ اب نانا کے دین کا مٹانا آسان نہیں رہا ۔

محترم خوانندگان ! کیا آپ غور نہیں فرماتے کہ تاریخوں اور مقاتل میں جو یہ لکھا ہے کہ جوں جوں حضرت کے اعزا اور اقربا شہید ہوتے جاتے اور جوں جوں حضرت کی اپنی شہادت کا وقت قریب آتا جاتا تھا ۔ حضرت کے چہرہ مبارک پر نور زیادہ ہوتا جاتا تھا ۔ قلبی شگفتگی اور تازگی کے نشانات روئے اقدس پر زیادہ نمایاں ہوتے جا " تھے ۔ کیوں ؟ اس لئے کہ اب حضرت کو مقصد میں کامیابی اور کرب عظیم سے نجات صریحاً نظر آنے لگی تھی ۔ وہ درد پنہانی جس نے زندگی تلخ کر رکھی تھی ۔ دور ہو رہا تھا ۔ کلمہ طیبہ کی بنیاد ایسی پختہ ہو رہی تھی کہ کبھی بدخواہ کو اکھاڑے نہ اکھڑے ۔ چنانچہ دنیائے تصوف کے مایۂ ناز بزرگ خواجہ معین الدین چشتی پکار اٹھے

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؑ

زمانہ قریب کے بلند پایہ حکیم علامہ اقبالؒ مرحوم نے یہ راز سمجھ کر ہی تو فرمایا تھا ۔

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

آیہ مجیدہ و نجّینٰاہ و اھلہٗ من الکرب العظیم میں اہل بھی نجات میں شریک ہیں۔ یہاں بھی جناب امام کے ساتھ ان کے اہل بھی اس نجات میں شریک ہیں۔ اور یہ نجات ایسی ہوئی جو ایسی عالم آشکارا اور روز روشن کی طرح نمایاں ہوئی۔ کہ جب اس امام کا فرزند کہ جسے سوال بیعت پر ہی شہید کیا گیا گرفتار ہو کر زنجیروں میں جکڑا ہوا بھرے دربار میں یزید کے پیش ہوا۔ تو گو اس ظالم نے جناب امام زین العابدینؑ کی ہر طرح تذلیل و توہین کی۔ خلافت اور امامت پر مباحثہ کیا۔ لیکن اُس کو یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ بیعت کا سوال کرتا۔ مؤرخوں کے قلم خاموش اور معتبر راویوں کی زبانیں بند ہیں۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ سے بیعت کے لئے کہا ہو اور آپ نے بیعت کی ہو۔ کرب عظیم سے نجات کی شان اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب یہ دیکھا جائے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سوال بیعت دنیا سے ایسا اٹھ گیا کہ بنی اُمیہ یا بنی عباس میں سے کسی بادشاہ نے نسل امام حسینؑ سے ہونے والے آئمہ دین حقہ سے بیعت کا سوال ہی پیش نہیں کیا۔ دنیا نے جان لیا کہ یہ ہاتھ بیعت کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ بیعت لینے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

جھٹلانے والی سرکش قوم کی تباہی کی صورت میں خدا کی نصرت :-

خداوند عالم کی نصرت کے اس پہلو پر غور کیا جائے کہ خدا جھٹلانے والی سرکش قوم کو غرق کر دیتا ہے تو معلوم ہو کہ اس پہلو میں بھی خداوند عالم نے امام حسینؑ کی نصرت نہایت واضح طریق سے فرمائی۔ کہ ان کے قاتلوں مخالفوں اور جھٹلانے والوں بلکہ اُن کی قوم کو نیست و نابود کر دیا۔ ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ اور اُن کی نسلوں کو قطع کر دیا۔ کون ہے جو آج ان کی قبروں کا نشان تک بتا سکتا ہو۔ کون ہے جو آج ہمیں اُن کی اولاد ہونے کے کسی دعویدار کا پتہ بتا سکے۔ کہاں ہے یزید کی سلطنت اور کہاں ہے اس کی قبر؟ لیکن جناب امامؑ کے روضہ کا سنہری گنبد۔ اس کے بلند و بالا مینار ہر با بصیرت شخص کو درس عبرت دے رہے ہیں۔ کہ دیکھو اس قبر کو نشان مٹانے کی ہر چند کوششیں کی گئیں پانی بہایا گیا۔ ہل چلائے گئے لیکن جسے اللہ باقی رکھے۔ اسے کون مٹا سکتا ہے۔ یزیدی سلطنت مٹ گئی۔ لیکن حسینی سلطنت اب بھی قائم ہے۔ اور قیام قیامت تک قائم رہے گی۔ وہ اہل دنیا کے دلوں پر حکمران ہیں۔ کاش ہم دلوں کے نقوش کو پڑھ سکتے پھر فیصلہ کرتے۔ کہ کیا یہ سلطنت اسی قدر وسیع نہیں ہے۔ جس قدر اللہ کی دنیا وسیع ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے غلط کہا کہ ان کی سلطنت قیام قیامت تک قائم رہے گی۔ مجھے یوں کہنا چاہئے کہ ان کی سلطنت تو بعد قیامت بھی قائم رہے گی

اور بہشت بریں میں تو حکومت اور سرداری ہی اُن کی ہوگی حدیث رسولؐ شاہد ہے۔ کہ فرمایا الحسنؑ والحسینؑ سیدا شباب اھل الجنۃ۔ حسنؑ اور حسینؑ دونوں بہشت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ (دیکھئے ترمذی)

الغرض اللہ تعالٰے نے یزید اور دوسرے قاتلان امامؑ کو نیست و نابود کر کے ایسا مٹا دیا کہ آج ان کا کوئی نام لیوا نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف جناب امامؑ کو ایسا بڑھایا۔ ایسی کثرت عطا کی۔ کہ سوائے امام حسینؑ کے دنیا کے کسی فرد بشر کو یہ شرف عطا نہ ہوا۔ کہ جس خاندان کا صرف ایک ہی (یعنی امام زین العابدینؑ) دنیا میں باقی رہ گیا ہو۔ اُسے ایسی کثرت نصیب ہو۔ کہ دنیا کا کوئی گوشہ اس کی اولاد سے خالی نہ ہو۔ اور پھر شرف بالائے شرف یہ ہو۔ کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر ان کو عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔ دنیا والے ان سے برکت ڈھونڈتے ہوں۔ اور حقیقتاً اُن سے فیض حاصل کرتے ہوں۔ اور یہی تفسیر ہے سورہ کوثر کی۔ جس میں خدا فرماتا ہے۔ انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ۱ ان شانئک ھو الابتر۔ یعنی اے رسولؐ ہم نے تمہیں اولاد کثیر عطا کی۔ پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی دے۔ تحقیق تمہارا دشمن ہی ابتر یعنی بے اولاد ہے لفظ کوثر کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن اگر سورۃ کے آخری الفاظ ان شانئک ھو الابتر (یعنی تمہارا دشمن ہی بے اولاد ہے) پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ربط کلام کا تقاضا ہی یہی ہے کہ کوثر سے مراد اولاد کثیر ہو۔ کیونکہ جس طرح غربت کے مقابلہ میں امارت، فقر کے مقابلہ میں غنا کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس طرح ضروری ہے کہ اللہ تعالٰے نے جو رسولؐ اللہ کو ابتر یعنی بے اولاد کہنے والے دشمنوں کے متعلق فرمایا۔ کہ وہی خود ابتر ہیں تو کوثر کے معنی ابتر کے معنی کے مخالف یعنی اولاد کثیر ہوں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰے کا اپنے حبیب سے یہ وعدۂ کثرت امام حسینؑ کے واسطہ سے پورا ہوا۔ ؎

تیرے مخالفوں کی ہوئی نسل منقطع!
اور تیری نسل پاک سے بھرپور ہے جہاں

یہ خیال کرنا کہ آخر یزید اور دوسرے قاتلانِ امام کے نام بھی تو لوگوں کی زبانوں پر آتے ہی ہیں۔ کتابوں میں بھی تحریر ہیں اور مفقود نہیں ہوگئے کمال نافہمی ہے۔ اس لئے کہ یہ صورت حال ان کے ناموں کی زندگی نہیں۔ بلکہ موت اور اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ جس طرح امام حسینؑ اور ان کے ہمراہیوں کے نام عزت و تکریم سے لئے جاتے ہیں۔ اُسی طرح یزید اور دوسرے قاتلانِ امامؑ کے نام ذلت۔ حقارت اور نفرت سے پکارے جاتے ہیں۔ ان کا ذکر

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

جناب زینبؑ اور منازلِ جہاد

(از سید محمد یحییٰ اعلیٰ شاہ صاحب نقوی البخاری نائب صدر ادارہ معارف اسلام)

(گذشتہ سے پیوستہ)

فریاد جناب زینبؑ ؎

۱ - اے چرخ! غافلی کہ چہ بیداد کردۂ
وز کین چہا درین ستم آباد کردۂ

۲ - اے زادۂ زیاد! نکردہ است ہیچ کس
نمرود این عمل کہ تو شداد کردۂ

۳ - کام یزید دادۂ از کشتن حسینؑ
بنگر کرا ، بہ قتل کہ ، دل شاد کردۂ

۴ - با دشمنان دین نتوان کرد آنچہ تو
با مصطفیٰؐ و حیدرؑ و اولاد کردۂ

۵ - در طعنت این بس است کہ با عترت رسولؐ
بیداد کردہ خصم و تو امداد کردۂ

۶ - ترسم دمے ترا کہ بہ محشر در آورند
از آتش تو دود ز محشر بر آورند

(ترجمہ) :- ۱ - اے آسمان! تو غافل ہے کہ تو نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے اور دشمنی سے ظلم کے گھر یعنی دنیا کو کیا [illegible] کر دیا ہے۔

۲ - اے زیاد کے بیٹے [illegible] نمرود نے (بھی) [illegible]

[illegible]

۳ - [illegible]

۴ - [illegible]

۵ - تجھے طعنہ دینے کے لئے یہ کافی ہے کہ دشمن نے رسولؐ کی اولاد پر ظلم کیا اور تو نے اُس کی مدد کی ہے۔
۶ - میں اُس گھڑی سے ڈرتی ہوں۔ جب تجھے قیامت میں لائینگے اور تیری آگ سے قیامت سے دُھواں نکلے گا (قیامت کے دن تجھے تباہ و برباد کرینگے)
حسینؑ کے ماتم داروں میں گریہ و ماتم کا شور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دشمن کی فوج کے سپاہی اس ظلم وستم کے بانی بھی زار زار رونے لگتے ہیں۔ زینبؑ کے کلمات خنجر کی تیز دھار کی طرح اُن کے سیاہ قلبوں میں اُترنے لگتے ہیں۔ دختر خیبر گیر اسی جہاد میں کامرانی کے ساتھ کوفہ روانہ ہونے کی تیاری کر رہی ہے۔

جناب زینبؑ شریکۃ الحسینؑ و عقیلۃ القریش

جناب مظلوم کربلا کا امتحان زیادہ سخت تھا یا صدیقہ

صغریٰ مظلومہ کربلا حضرت زینبؑ کا۔ بھائی پر زیادہ اور شدید مصیبتیں وارد ہوئیں۔ یا بہن پر مگر اتنا کہنے پر مجبور ہیں کہ بھائی پر جو مصائب وارد ہوئے اُن کی مدت زیادہ سے زیادہ عصر عاشور تک متعین کی جا سکتی ہے۔ اور ان سب مصیبتوں میں بہن بھی برابر کی سہیم و شریک نظر آتی ہیں۔

ﺍ - اگر بھائی نے مدینہ چھوڑا تو بہن نے بھی وطن کو خیر باد کہا بلکہ اپنے بھائی کی رفاقت کو اپنے شریک حیات کی مفارقت پر ترجیح دی۔
ب - اگر بھائی نے صعوبات سفر برداشت کئے تو بہن نے بھی جنگلوں کی خاک چھانی۔
ج - اگر بھائی تین دن بھوکا پیاسا رہا تو بہن بھی بھوکی پیاسی رہی۔
د - بھائی کی گرسنگی اور تشنہ لبی تو عصر عاشور کو ختم ہو گئی۔ لیکن بہن کو دانہ اور پانی شب یازدہم محرم کو نصیب ہوا۔ اور وہ بھی جس مقدار میں ملا۔ وہ محتاج بیان نہیں۔
ﮦ - اگر بھائی نے اپنے دل کے ٹکڑوں کو راہ حق میں قربان کیا تو بہن نے بھی اپنی زندگی بھر کی کمائی بھائی کے قدموں پر نثار کر دی۔
و - روز عاشورا اگر بھائی ایک ایک شہید کی لاش در خیمہ پر پہنچاتے رہے تو بہن ہر ایک کی صف ماتم بچھاتی رہی۔ جس شہید کے بارے میں جو احساسات و تاثرات قلبی بھائی کے تھے کم و بیش وہی بہن کے بھی تھے۔

قطعہ مرغوب نقوی سے

جانِ شاہ حسنینؑ ہیں زینبؑ ماں کے بھی دل کا چین ہیں زینبؑ

جس طرح تھیں نبیؐ کے ساتھ بتولؑ یوں شریکِ حسینؑ ہیں زینبؑ

قطعہ بانو سید پوری سے

رسولؐ اللہ کے اخلاق کی تصویر تھیں زینبؑ
حسینؑ ایسے بہادر بھائیؑ کی ہمشیر تھیں زینبؑ
دیارِ شام و کوفہ ہو کہ ارضِ کربلا بانوؔ
امامت کے لیے تسکین کی تاثیر تھیں زینبؑ

جنابِ زینبؑ صبحِ عاشور سے عصرِ عاشور تک جہاد میں حسینؑ کی شریک رہیں۔ اُدھر مصیبت زدہ بھائیؑ شہداء کے لاشے میدان سے لاتا رہا۔ اِدھر غم زدہ بہن ہر ایک کی صفِ ماتم بچھاتی رہی۔ اُدھر حسینؑ اپنے اصحابِ باوفا کی جنگ دیکھتے رہے اور بعد شہادت اُن کی مدد پر خیمہ کے باہر کمربستہ رہے۔ اندرونِ خیمہ بیواؤں اور یتیموں کی تسلی و تشفی کا کام زینبؑ کے سپرد رہا۔

الغرض حسینؑ کے کارنامے میں زینبؑ کی بنفسِ نفیس شرکت ہی اُن کے کردار کی عظمت اور شخصیت کی بلندی کا ثبوت ہے۔ لیکن زینبؑ نے فی نفسہ اپنی عظمت کا سکہ جس دل پر بعد عصر کے جہاد کی قیادت کے لئے بٹھا دیا۔ جب عصر کے بعد والا جہاد شروع ہوا تو اس وقت مردوں میں سوائے سید سجادؑ جیسے بھتیجے کے اور کوئی نہ تھا وہ بھی انتہائی ضعف و نقاہت میں مبتلا تھے۔ آہ! کچھ بے والی و وارث عورتیں تھیں کچھ صغیر سن بچے تھے اور اب سپاہِ حسینیؑ جو زینبؑ کے متعلق تھی وہ اُن چند نفوس پر مشتمل تھی اتنا ضرور تھا کہ شہیدوں کے کٹے ہوئے سر اس مختصر سپاہ کے ساتھ علمِ مظلومیت بلند کر رہے تھے مگر اللہ اللہ!! اس مظلوم اور بے سروسامان فوجِ خدا کے کارنامے اس نے نہ صرف کربلا کی جنگ جیتی بلکہ اپنی حق گوئی اور مظلومیت ہی کو آلۂ کار بنا کر کوفہ و شام کو بھی فتح کر لیا۔ اسی سپاہِ حسینی نے صرف یزید ہی کو نیچا نہیں دکھایا بلکہ یزیدیت کو اس بُری طرح پامال کر ڈالا کہ اب وہ اپنے اصلی خدوخال میں سر اُٹھانے کے قابل نہ رہی۔

رسولِ اسلامؐ کی نواسی، امیر المومنینؑ کی بیٹی، آغوشِ فاطمہؑ کی پلی ہوئی نیک نفس خاتون جنابِ زینبؑ کے سامنے بعد شہادت سید الشہداءؑ فرائض کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جن کی ادائیگی جنابِ زینبؑ ہی جیسی عظیم المرتبت ہستی سے ممکن تھی یہ کسی دوسرے کے بس کی بات نہ تھی کوفہ و شام کی زندگی میں عمل کی منزلیں طے کرنے کے طریقے اور تھے لیکن بے والی و وارث ہو جانے کے بعد کسی اور طرح سے یہ راہِ عمل طے کیا گیا۔ یہ دونوں طریقے دراصل محلِ استعمال کی وجہ سے دو نظر آتے ہیں ورنہ درحقیقت مقصدیت کے اعتبار سے دونوں میں یک نیت ہے اور یہ نوعی اختلاف امر بالمعروف کے حدود میں ہے۔

رضائے الٰہی کی پابندی اور تحفظ دینِ حق کی خاطر یہ دو طریقے استعمال ہوئے ایک جگہ جنگ اور شہادت کا سماں نظر آرہا ہے۔ تو دوسری جگہ ضبط بظاہر مجبوری اور اس میں تیغِ زبانِ حق کے حملے دیکھتے ہیں جہاں تک دشمن کو نقصان پہنچانے کے لئے حملوں کا تعلق ہے۔ حملے دونوں ہی ہیں صرف آلات حرب بدلے ہوئے ہیں دنیائے تصور میں شروع جہاد سے کیا کیا صورتیں پیدا ہوتی گئیں اور ہر دینِ حق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ شریعتِ اسلام کی پابندی اُدھر حالات کی ناخوشگواری۔ اُدھر خیموں کی موجودگی میں پردہ کی اُدھر خیام کے جلنے کی صورت میں امامِ وقت حضرت سیدِ سجادؑ کی اجازت سے پردے کی دردناک قربانی اور پھر چادر کے چھن جانے پر بالوں سے منہ چھپانے کی پُردرد داستاں کا آغاز۔ اِدھر اعزا اقربا اور انصارِ حسینیؑ کے لاشے مقتل میں بے گور و کفن اُدھر اُس پُرہول بیابان میں ننھے ننھے بچوں اور امانتِ حسینیؑ کی حفاظت کا مسئلہ۔ اسیری کے ایام اور ہر جگہ تحفظ آئینِ دینِ رسولؐ اور اُس کے حدود کا تعین۔

عاشور کی ہنگامہ خیزیوں کے بعد شب کی خوفناک تاریکی، گہنایا ہوا چاند، ماند ستارے، پُرغم فضا اور شہدائے راہ خدا کے کٹے ہوئے سر، بے گور و کفن جسم، اپنی بیکسی کا نوحہ پڑھتے ہوئے زینبؑ کو خون کے آنسو کیوں کر نہ رلاتے۔ ان سب کے باوجود کئی راتوں کی جاگی ہوئی معمر خاتونِ محترم احساسِ فرائض کی وجہ سے بیدار رہیں۔ اس میں حالات کی ستم ظریفی کہ حسینؑ کے اطفال میں سے ایک یتیم بچی غائب ہو گئی جس کی تلاش میں سوئے قتل گاہ جانا زینبؑ کے احساسِ فرائض اور صبر و ضبط کی واضح مثال ہے۔ یہ زینبؑ ہی کا کلیجہ تھا کہ مقتل میں پہنچ کر عون و محمدؑ۔ علی اکبرؑ اور قاسمؑ جیسے ہونہار جوانوں کی میتیں دیکھ کر جو یقیناً اُس نشیب کے پیچھے تھیں جہاں بچی اپنے باپ کے بے سر تن سے لپٹی ہوئی فریاد کر رہی تھی سوا شکر کے حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں۔ اصغرِ معصوم کی بے زبانی کی یاد زینبؑ کے دل میں کس قدر نہ رہی ہوگی۔ عزیز بھائی کی جدائی کا صدمہ اور اُس کے مصائب پر کتنا رنج جناب زینبؑ کو رہا ہوگا۔ اُن سب کی موجودگی میں بھی آپ حالات سے ہراساں نہیں ہوئیں۔ آپ نے ہر منزل پر استقلال اور ثابت قدمی کی اعلیٰ مثال پیش کی ہے۔

اسیرانِ کربلا کا لُٹا ہوا قافلہ اور کوفہ کا دربار، شام کا بازار، یزید شرابخور کے دربار کی حالت رسولؐ زادیاں اُمتِ رسولؐ کے ہاتھوں اس طرح مقاماتِ ذلت میں لائی جائیں اور مسلمان خاموش رہیں؟

جن کے اپنے کلمہ گو ہوں اُن کے کاشانے جلیں
شمع گُل ہونے سے پہلے کیوں نہ پروانے جلیں

ان سب ناخوشگوار حالات میں جناب زینبؑ کی بلاغت نواز تقریریں ایسی تھیں جنہوں نے عالمِ ظلم و ستم کو تہہ و بالا کر دیا اور یزیدیت کو برباد کر ڈالا۔ حق کی آواز کو اس شدت سے اپنے نحیف مگر پُراثر

بیٹے ہیں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا کہ آتشِ بغاوت کے شعلے قصرِ یزیدی سے قربت حاصل کرنے کے لئے بیتاب نظر آنے لگے زینبؑ اپنے موضوعِ کلام اور حسنِ بیان کو حق گوئی کے لئے وقف کر کے حسینی مشن کو حیاتِ جاوید بخش دی۔ کیا جناب زینبؑ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کارنامہ کو انجام دینے کے لئے موزوں تھا۔ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب زینبؑ کے ہر نقشِ عمل میں پنہاں ہے خواہ وہ میدانِ کربلا کی پُرہول گیارہویں شب ہو چاہے کوفہ کا بازار ہو یا ابنِ زیاد کا دربار، چاہے شام کے بازار کی سجاوٹیں ہوں۔ یزید کا دربار ہو یا ٹوٹا ہوا تاریک قید خانہ، زینبؑ کی صدائے احتجاج ان سب مقامات کے ذرّے ذرّے سے آج تک سنی جا سکتی ہے۔ جو درحقیقت زیرِ خنجر حسینؑ کے لبِ مبارک سے باطل کے خلاف نکلے ہوئے احتجاجی کلمۂ حق کی صدائے بازگشت ہے۔ اسی طرح عالمِ انسانیت میں غالباً پہلی بار جناب زینبؑ ہی نے حسینیت زندہ باد کا نعرہ بلند کیا۔

حضرت زینبؑ کو واقعۂ کربلا سے وہی نسبت ہے جو جناب امیرؑ کو اشاعتِ اسلام سے ہے۔ اگر جناب امیرؑ کی سرفروشانہ خدمات اسلام کے بُرے وقتوں میں آڑے نہ آتیں تو اسلام کی تاریخ کا آخری باب جنگِ بدر کے خاتمہ ہی پر لکھا جا چکا ہوتا۔ اور اس کی شان و شوکت کی تمام داستان ایک بھولا ہوا خواب بن کر رہ جاتی۔ اسی طرح اگر جناب زینبؑ نے پوری استقامت اور خلوص کے ساتھ امام حسینؑ کی رفاقت اور نصرت کا حق ادا نہ کیا ہوتا اور امام زین العابدینؑ کی معیت میں سفر کی وہ صعوبتیں برداشت نہ کی ہوتیں جو انہوں نے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام جاتے ہوئے برداشت کیں تو واقعۂ کربلا کی روشنی تاریخ کے بہت سے صفحات دھندلے اور سادہ نظر آتے۔ یعنی واقعۂ کربلا کی کوئی تاریخ ہی نہیں لکھی جاتی اگر لکھی بھی جاتی تو وہ یا شمر کی زبانی لکھی جاتی یا عمر سعد کی زبانی جو اس سے زیادہ کچھ اور نہ ہوتی کہ ایک چھوٹی سی باغی جماعت پر لشکرِ یزید کے سپاہی اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح باز چڑیوں کے غول پر گرتا ہے اور وہ سراسیمگی کی حالت میں ادھر ادھر اسی طرح چھپتے پھرتے تھے جس طرح چڑیاں جھاڑیوں میں چھپتی پھرتی ہیں۔ واقعۂ کربلا پر دنیاوی رنگ چڑھنے اور اس کی حقانیت کو چھپانے کے لئے دشمنوں نے کیا کچھ کوشش نہیں کی۔ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق جاتے ہوئے لوگ اہلبیتؑ کی اسیری کے تماشے کے لئے دور دور سے بلائے جاتے تھے۔ اور ان کے سامنے اہلبیتؑ کی توہین و ذلت کی جاتی تھی تاکہ کسی کو واقعہ کربلا کے صحیح حالات معلوم نہ ہو سکیں اور اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکے۔ خود امام زین العابدینؑ فرمایا کرتے تھے [illegible] ایسی حالت میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] وقت کی [illegible]

دشمنوں کے پروپیگنڈے کا سدِّباب کیا اور حق کو جیسا اُس کا حق تھا واضح کیا۔ جہاں بھی آپ کو موقع ملا آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے اُس کے صحیح حالات سے آگاہ کیا اور یہی نہیں بلکہ کوفہ اور دمشق کے درباروں میں جہاں کسی دوسرے کو زبان کھولنے کی بھی جرأت مشکل سے ہو سکتی تھی اور جہاں بڑے بڑے خطیبوں کی ہمتیں جواب دے دیتی تھیں آپ نے بلیغ اور مؤثر خطبے ارشاد فرمائے اور یہ تھا دشمنوں کی چرب زبانی اور اُن کی دریدہ دہنی کے وہ منہ توڑ جواب دیئے کہ سننے والے دنگ رہ جاتے تھے۔

مرزا محمد اشفاق صاحب شوق ؎

پھوسے کربلا میں مصحفِ ناطق نے کیا لکھا ہے
بہن ہر ہر قدم پہ شام میں تفسیر کرتی ہے
ہلا دیتا ہے بنیادِ ضلالت شام و کوفہ میں
وہ ہر اقدام جو بھی بنتِ خیبر گیر کرتی ہے

ابن زیاد کے کھلے دربار میں جب اُس بے دین نے اسیرانِ اہلبیتؑ کو مخاطب کر کے امام حسینؑ کو جنگ میں پیش قدمی کرنے کا طعنہ دیا اور امام حسینؑ کی شہادت کو خود اپنے ہی ہاتھوں بُلائی ہوئی ہلاکت اور تباہی سے تعبیر کیا تو یہ سنتے ہی حضرت زینبؑ کو جلال آگیا اور آپ نے نہایت کڑکتی ہوئی آواز میں اُس سے کہا کہ "خاموش! کیا کہتا ہے وہ خدا کی تلوار تھی جو اپنا کام کر کے جنان میں داخل ہو گئی" کیا اس سے زیادہ مؤثر اور بلیغ طریقہ اس بات کے اظہار کا کوئی اور ہو سکتا ہے کہ وہ خاصانِ الٰہی جن کو خداوندِ عالم کسی خاص مقصد کے لئے دنیا میں بھیجتا ہے اُن کے لئے موت اور زندگی کا کوئی سوال نہیں۔ وہ جس طرح اس عالمِ خاک و باد میں رضائے الٰہی کے پابند رہتے ہیں۔ اُسی طرح عالمِ ارواح میں بھی وہ خداوندِ عالم کی رضا جوئی میں مصروف رہتے ہیں۔ کیا ایمان بالقرآن کی اس سے اچھی طرح اور مثال ہو سکتی ہے۔ اور کیا (لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون) کی اس سے بہتر کوئی اور تفسیر ہو سکتی ہے۔ زبان سے رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہٖ کہہ دینا بہت آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ یہ آلِ محمدؐ ہی کا حوصلہ تھا کہ جتنے مصائب و آلام کے شواہد بڑھتے جاتے تھے اُن کی رضا جوئی کا دامن اور پھیلتا جاتا تھا۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندانِ رسالت کے افراد ایمان و عرفان کے کتنے بلند درجوں پر فائز تھے۔

امام حسینؑ اگر اس لئے محسنِ اسلام ہیں کہ اُنھوں نے اسلام کی کشتی کی ناخدائی اُس وقت کی کہ جب وہ غرقاب ہو رہی تھی اور اُس کو ہلاکت اور تباہی کے بھنور سے اُسی وقت نکالا جب وہ ڈوبنے کے قریب تھی وہ حضرت زینبؑ محسنہ اسلام ہیں جنھوں نے اپنی چادرِ عصمت سے اِس ڈوبتی

ہوئی کشتی کا سر برہنہ ہو کر بادبان بنایا۔ تاکہ کفر و عصیاں کی بادِ تند کے جھونکوں سے یہ دینِ اسلام کی کشتی غرق ہونے نہ پائے۔ امام عالی مقام نے اسلام کے لئے جو کچھ قربانیاں دی تھیں اُن سے اہلِ اسلام کو کما حقہٗ روشناس کرا دیا۔ اور جو شاہی پیغام امام حسینؑ اُمت کے لئے دے گئے تھے اُس کو اُمت تک پہنچا دیا۔ جناب زینبؑ کی زندگی کا یہ ایک ایسا بڑا کارنامہ ہے جس کے لئے اُمتِ محمدیہ بلکہ خود امام حسینؑ اور خاندانِ رسالتؐ کے دوسرے افراد تاقیامت حضرت زینبؑ کے ممنونِ احسان ہونگے۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت اور اُس کے متعلقہ واقعات ایک بند کتاب کی طرح گوشۂ گمنامی میں جا پڑتے۔ اگر حضرت زینبؑ اُن کو اپنے سفر و حضر میں بار بار دہراتی رہتیں۔ آپ کی سیرت کا ہر گوشہ بلکہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ ایسا تابناک اور منور ہے کہ چشمِ بصیرت جتنا چاہے اُس سے کسبِ ضیاء کر سکتی ہے۔ آپ کی رفعتِ شان و بزرگی کا اندازہ کرنے کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ جیسے پایہ کا بزرگ جو اپنے وقت کے اعلمِ اُمت اور افصح الناس سمجھے جاتے تھے اور جن کو لوگ حبر اور بحر کے لقب سے پکارا کرتے تھے وہ جب کبھی حضرت زینبؑ کا ذکر کرتے تھے تو عقیلتنا کہہ کر اُن کا ذکر کرتے تھے۔ کبھی حضرت زینبؑ کا نام لے کر اُن کا ذکر نہیں کیا۔ جس کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ جیسی بلند پایہ ہستی عقیلتنا کہہ کر خطاب کرے اُس کی عظمت اور شان اور علوئے مرتبت کا اندازہ کرنا مشکل ہے اور یہ حضرت ابن عباسؓ کی تواضع یا نیک نفسی کی بنا پر نہیں تھا بلکہ وہ یہ سمجھ کر ایسا کرتے کہ اُن کی نگاہ میں حضرت زینبؑ اُن تمام اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ پسندیدہ کی حامل تھیں۔ جن کے لئے جناب امیرؑ اور خاندانِ رسالتؐ کے دوسرے افراد ممتاز اور مفتخر سمجھے جاتے تھے۔

عالمہ غیر معلّمہ کے خطباتِ کوفہ کے تاثرات

جس وقت امام حسینؑ شہادت کے لئے آمادہ ہیں رخصتِ آخر کے لئے خیمہ میں تشریف لاتے ہیں۔ بیمار فرزند کو شانہ ہلا کر ہوش میں لاتے ہیں۔ اسرارِ امامت تعلیم کرنے کے بعد عہدۂ امامت سپرد کر کے فرماتے ہیں۔ کہ بیٹا اب تم خلائق کے امام ہو۔ اب سے تمہاری ذمہ داریوں کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے بعد بہن سے رخصت ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ بہن! اب تم اس قافلہ کی سالار ہو۔ میرے مقصدِ شہادت کی تکمیل تمہارے سپرد ہے۔ میرا کام ختم ہوا۔ اب تمہارے کام کا آغاز ہے۔ میں نے کربلا کو فتح کر لیا۔ اب کوفہ و شام کی تسخیر تمہارے سپرد ہے۔ اب تم اشاعتِ حق اور اشاعتِ ظلم کی ذمہ دار ہو۔ دیکھو میری شہادت کے بعد سر و سینہ نہ پیٹنا۔ بال پریشان نہ کرنا۔ زیادہ آہ و زاری نہ کرنا اور اسی رخصتِ آخر کے وقت امام نے بیٹی سے فرمایا تھا کہ بیٹی ابھی کیوں روتی ہو ابھی حسینؑ زندہ ہے۔ میرے مرنے کے بعد جتنا جی چاہے رو لینا تم سے زیادہ کس کو رونے کا حق ہے۔

لیکن اب بہن کو منع فرمایا جا رہا ہے۔ یہ اُس وقت سمجھ میں آیا کہ جب یہ لُٹا ہُوا قافلہ کوفہ کے بازار میں پہنچا۔ کسی مقام پر کہیں نظر نہیں آیا کہ زینبؑ کا قدم کسی مقام پر بھی آگے بڑھنے سے رُکا ہو۔ سوائے بازارِ کوفہ کے داخلہ کے وقت علیا مکرمہ کو جب معلوم ہُوا کہ قافلہ دَرِ کوفہ پر اس لئے رُکا ہے کہ بازارِ کوفہ کی آئینہ بندی اور سجاوٹ مکمل نہیں ہوئی۔ کوفہ وہ مقام ہے جو پایۂ تخت امیر المومنینؑ رہ چکا ہے۔ اور علیؑ کی بیٹیاں بحیثیت شہزادیاں ساڑھے چار سال تک کوفہ میں رہ چکی تھیں۔ ذلت اُس مقام پر ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ جہاں انسان برسرِ اقتدار رہ چکا ہو۔ کوفہ میں سربرہنہ داخلہ کا خیال آتے ہی زینبؑ کا قدم رُکا۔ چہرہ پر آثارِ جلالت نمودار ہوئے اور فضہ کے اس جواب پر کہ شہزادی ہم مجبور ہیں کیا کر سکتے ہیں۔ فرمایا۔ فضہ ہم کو مجبور نہ سمجھو اگر چاہوں تو کوفہ کا تختہ اُلٹ جائے لیکن جب حسینؑ کے سر پر نظر پڑی تو امامؑ کے آنسوؤں نے بہن کے آتشِ جلال کو سرد کر دیا اب کوفہ کا بازار ہے اور رسولؐ کی نواسیاں مملکتِ اسلام کے شہنشاہ کی بیٹیاں حسینؑ کے اہلِ حرم پریشاں کوفہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ وہ کوفہ کا بازار جو حضرت علیؑ کا پایۂ تخت تھا آج سجایا گیا ہے۔ اور وہ عورتیں جو زیارت کی ہزار تمناؤں کے ساتھ درِ علیؑ پر جبہ سائی کیا کرتی تھیں آج وہ تماشائی بن کر ذریتِ رسولؐ دخترانِ علیؑ و بتولؑ کا تماشائے اسیری دیکھنے آتی ہیں۔ حالت یہ ہے کہ تماشائیوں کی کثرت سے بازارِ کوفہ میں ایک ہجوم ہے۔ عورتیں زرق برق لباس پہنے کوٹھوں پر غمزدہ اسیروں کو دیکھنے کی منتظر بیٹھی ہوئی ہیں۔ اور یہ لُٹا ہُوا قافلہ اس حالت سے کہ آگے آگے شہیدوں کے سر نیزوں پر اور لاوارث بیبیاں گردنیں جھکائے بالوں سے منہ چھپائے اُونٹوں کی پشت پر سست رفتاری سے چلی آ رہی ہیں۔ کوفہ کی عورتیں اپنے بچوں پر سے صدقہ کی کھجوریں پھینک رہی ہیں اگر کوئی بچہ شدتِ بھوک سے کوئی خرما اُٹھا کر منہ میں رکھنا چاہتا ہے تو شہزادیاں حرمتِ صدقہ کا احساس دلا کر خرموں کو یہ کہہ کر پھینک دیتی ہیں کہ ہم آلِ رسولؐ ہیں صدقہ ہم پر حرام ہے۔ اس طرح آلِ رسولؐ ہونے کا عملی ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ موقع دل کی دنیا میں زلزلہ پیدا کرنے والا اور صبر و سکون کی کشتی کو طوفانی بنا دینے والا تھا۔ ایسے صبر شکن ماحول میں دل کا باختیار رکھنا یہ صرف جنابِ زینبؑ ہی کا کام تھا۔ ایسے سخت ہنگام میں شہزادی معظمہ نے جو اطمینانِ قلب کا مظاہرہ پیش کیا ہے۔ وہ قیامت تک یادگار رہیگا جب یہ لُٹا ہُوا قافلہ وسطِ بازار میں پہنچا۔ تو ایک منادی نے ندا کی کہ اے اہلِ کوفہ (معاذ اللہ) ایک خارجی نے شیرازہ اسلام کو منتشر کرنے کے لئے امیرِ وقت خلیفۃ المسلمین یزیدؑ پر خروج کیا تھا خدا نے امیر کو فتح دی۔ اُن کے مرد قتل کر دیئے گئے اور عورتیں تشہیر کر کے یہاں لائی گئی ہیں۔ یہ وہ موقع تھا کہ ظالم کی طرف سے حقیقت پر ڈالے گئے گہرے پردے ڈالے ہوئے ہٹا دیئے جاویں تا کہ مقصدِ شہادت ظاہر ہو جائے۔ (باقی آئندہ)

ذریعۂ معارف کا تعارف

توحید اور زندہ جاوید

معرفت و عمل

فکرِ مذہب، اقبالؒ اور ہم سب

(قسط ۶)

(نتیجۂ فکر محقق لاثانی و مورخ بے بدل ڈاکٹر عسکری بن احمد دام اللہ فیوضہم)

(پیغمبر، شاعر، فلاسفر، صوفی فرفر، قلندر، صاحب بڑ و صاحبِ ٹر اور لال بجھکڑ، صاحب نظر، سائنس کے ڈاکٹر، مجدد و لیڈر، اہل فقر، اہل الذکر اور صاحب العصر کے کشوفِ حقائق و انداز فکر ——— تقابلی مطالعہ، نقد و نظر)

"جن اربابِ نظر نے آئمہ اہل بیت کرام (علی الخصوص حضرت امام جعفر صادق اور امام (محمد) باقر علیہما وعلیٰ آبائہما و اجدادہما الصلوٰۃ والسلام) کی احادیث مقصدہ حکمیہ بنابر تخلیق واحدہ و زندقہ مطالعہ کی ہیں۔ وہ امام جن کا گھر وحی و نبوت کا گھر اور جن کا دروازہ باب مدینۃ العلم (؟ ـــ عسکری) اور جن کے اطفال تک علم نبوت و فیضان عترت رسالت کی گودوں میں پرورش پانے والے تھے۔ وہ اربابِ نظر (اس مطالعہ کے بعد) آج کل کے فلسفۂ امجد کو کب خاطر میں لا سکتے ہیں اور محض خیالات و ظنون کا تخرص و تلعب اور پرستارانِ اوہام زید و بکر کی زبان کج مج و بیان لجلج کب ان کی جلالتِ علوم کی خسروی اور سلطانیٔ یقین کی تہہ یابت کو مرعوب و مسخر کرسکتا ہے؟ ان کے سامنے یہ تمام طلسماتِ عقلیہ خواب پریشاں اور سراب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے"

(تذکرہ ابوالکلام آزاد)

از دورِ عیاں ہے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث توحید الائمہ کو بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ کتب شیعہ اثنا عشریہ میں کتاب التوحید از مفضل معرفتِ خدا اور توحید پر بڑی واضح اور مشہور ہے۔ میں تفصیلاً درج ہے۔

اس تمہید و تائید از کتب غیر شیعہ سے ہمیں تو صرف یہ بتانا تھا کہ جس وقت اسلام میں

عجمیت اور مجوسیت سرایت کر رہی تھی اور توحید اسلام کو خراب کر رہی تھی۔ بنیادی اعتقاد کی بنیاد کو کھوکھلا کیا جا رہا تھا اس وقت بھی آئمہ اثنا عشر اہلبیت عترت رسول اللہ قل ھو اللہ احد کی تلوار ہاتھ میں لے کر اصل توحید اسلام کو علی منہج النبوۃ کبھی کوفہ و کربلا اور کبھی کاظمین و سامرہ اور کبھی مشہد مقدس میں پھیلا رہے تھے۔

توحید وجودی کے باوا آدم ابن العربی کا مقولہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے نانا کی تلوار سے شہید کئے گئے۔ مگر موحدین "دین است حسین دین پناہ است حسین" کہتے رہے ہیں۔

ابن تیمیہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی علم و فضل میں بزرگی ماننے کو تیار نہیں تاریخی حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ تو ان کے معتقد اور پیروکار محمد بن عبدالوہاب اور دوسرے نجدی شہریاروں نے قبہ ہائے قبور اہل بیتؑ گرا دیئے تو تعجب کیا۔

اس ھدم مقابر و ماثر کا شکار ہو اشم کی قبور بنیں۔ جنت البقیع میں مدفن بضعۃ الرسول حضرت ام الائمہ فاطمہؑ بتول، سید الساجدین امام زین العابدینؑ اور حضرت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہم الصلوٰۃ والسلام جب تیر ہدم بنے۔ ان کے قبے اور مزار نجدیوں نے گرا دیئے۔ گنبد خضرا اور چرخ نیلی فام فریاد ہے۔

افسوس! توحید و اخلاص جن آئمہ اہلبیتؑ عترت کی وجہ سے سلامت اور زندہ قوت ہے۔ ان کے مقبرے اور نشانِ قبور تک "شرک کا بہانہ" کھو کر مٹا دیئے گئے۔ جہاں کی خاک کے ہر ذرے سے ترانۂ انا الطور پھوٹتا ہے۔ جن کی خاک کا ہر ریزہ توحید حقیقی کی گواہی دیتا ہے۔ ان کی تربتوں کو بے پردہ کر دیا گیا۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ علیؑ ولی اللہ

کہنے والوں نے ان تربتوں اور جگہوں کی خاک پاک کو سجدہ گاہ (مہر نماز) بنا لیا۔ اور ہر سجدہ میں انا الطور کی صدا سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ کے وقت کانوں میں آئے۔ اور وحدانیت کامل قائم رہے۔

قبر پرستی کے عنوان سے صاحب تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی (جس کے حوالے ہم بار بار دے رہے ہیں) نے بدعات و توہمات کو گنا تے گناتے ایران میں مشہد مقدس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ دنیائے اسلام میں قبروں کی زیارت اور خانقاہوں کی پرستش کا اندازہ صرف ایک مثال سے ہو سکتا ہے۔ کہ مشہد میں حضرت امام علی رضا کے مزار پر ایک سال میں زائرین کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہوتی ہے اور روزانہ ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے مزار کا ناظم "متولی باشی" کہلاتا ہے۔ جو رسوخ میں ایرانی گورنر جنرل سے کم نہیں ہوتا۔

ابن عبدالوہاب کو مجدد تجدید کہنے والے صاحب تاریخ افکار الخ پر صد افسوس کہ اس نے مشہد کے اس مقدس مزار اور ایک عام خانقاہ کو ایک ہی رنگ میں دیکھا ہے۔ عام خانقاہ میں جو اعمال واشغال اس نے گنائے ہیں ان سے شرک کی بو میلوں تک آتی ہے۔ مگر روضہ امام علیؑ الرضا پر کسی بدعت اور شرک (جو اس کے نزدیک بدعت و شرک ہے) کو نام لے کر نہیں جتلاتا۔ توحید کے امام ضامنؑ کے مدفن پر نہ رقص و سرود کی محافل جمتی ہیں نہ سماع وطرب کے مظاہرے ہوتے ہیں ——— صاحب تاریخ افکار الخ کے سینہ پر سانپ کیوں لوٹتا ہے؟ ——— ملوکیت کے خلاف لکھنے والے صاحب تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی کے ان الفاظ سے کہ "مزار مقدس کا ناظم رسوخ میں گورنر جنرل سے کم نہیں ہوتا" سے ملوکیت نچلی کی کس قدر بو باس آرہی ہے۔ قصہ ختم۔ مورخ افکار اس مزار پُر انوار کے متعلق حضرت جامیؒ کا ایک شعر نہیں جس کی نسبت حضرت اقبالؒ نے فرمایا ہے۔ ؎

بروئیم بستہ درہا را کشاید
دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

یہی جامیؒ کہتا ہے ؎

اے ہوائی وصف سلطان خراسان را شنو
ذرۂ از خاک قبرش دردمندان را دواست

اے محب حضرت امام رضاؑ کی قبر مطہر کی خاک کا ایک ذرہ بیماروں کے لئے دوا ہے۔ اقبالؒ نے اسی لئے کہا ہے کہ رومیؒ اور جامیؒ کے دو بیتوں سے مجھ پر بند سے دروازے کھل جاتے ہیں۔

معرفت و عمل اور توحید و عدل:— مکتب اہل بیتؑ کے مطابق توحید و عدل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

تدبر و تفکر سے ادراک حقیقت الاشیاء معرفت کہلاتی ہے۔ معرفت کی ضد انکار ہے۔ علم کی ضد جہل ہے۔ لا تفکروا فی اللہ ولا کن تفکروا فی ایات اللہ یعنی اللہ تعالے کی ذات کے متعلق غور و فکر نہ کرو۔ بلکہ آیات اللہ میں تفکر کرو۔ جناب امام جعفر صادقؑ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا ایاکم والتفکر فی اللہ فان التفکر فی اللہ لا یزید الا تیھا ان اللہ تبارک و تعالیٰ لا تدرکہ الابصار ولا یوصف بمقدار یعنی باز رہو تفکر فی اللہ سے کیونکہ تفکر فی ذاتہ باعث ازدیاد حیرانی ہوگا۔ بیشک ذات الٰہی باری تعالیٰ کو آنکھیں ادراک نہیں کر سکتی ہیں۔ اور نہ ہی صفات الٰہی کسی مقدار و پیمانہ سے ناپی جا سکتی ہیں۔ لیس کمثلہ شئ و ھو السمیع العلیم یعنی اس کے مثل کوئی شے نہیں

اور وہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ (بقرہ) یعنی تمہارے لئے صبغۃ اللہ (خدائی رنگ) ہے اور صبغۃ اللہ سے بہتر کون رنگ ہے جو تم لے سکو۔ بہترین رنگت یہی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت بیان کی گئی ہے کہ عروۃ الوثقیٰ التوحید والصبغۃ اللہ الاسلام یعنی عروۃ الوثقیٰ توحید ہے اور صبغۃ اللہ اسلام ہے۔

تفسیر یوں بھی ہے۔ صبغنا اللہ صبغۃ وھی فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا یعنی خدائی رنگ ہی فطرت اللہ ہے۔ جس پر تمام لوگوں کو خلق کیا ہے۔

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (الروم) اے رسولؐ اپنے رخ کو دین حنیف پر رکھ۔ دین حنیف فطرت اللہ ہے جس پر سب کو پیدا کیا گیا ہے۔ خلق اللہ میں تبدیلی نہیں یہی دین قیم ہے مگر بہت لوگ لاعلم ہیں۔ (الروم پ۲۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فطرۃ اللہ سے مراد توحید ہے۔ حضرت امام موسیٰ الرضا علیہ السلام نے فرمایا کہ توحید سے مراد لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ علی ولی اللہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا منکر توحید کا منکر ہے۔ (توحید القرآن و توحید الائمہ از مولانا سید محمد ہارون) یعنی توحید ہی صبغۃ اللہ، فطرت اللہ، دین حنیف، دین قیم ہے۔

مذہب شیعہ امامیہ اثنا عشریہ میں اصول دین میں توحید و عدل کا ساتھ ہے۔ اگرچہ معتزلہ فرقہ بھی اہل التوحید والعدل کہلاتا ہے۔ مگر ان میں حضرت علی علیہ السلام جزو کلمہ شہادت نہیں ہیں۔ اسلام کی توحید اگر زندہ ہے تو ابوالائمہ حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ عترت رسول اللہ علیہم السلام والصلوٰۃ کی وجہ ہے۔ وہی لا الہ الا اللہ جس کا پتہ محمد الرسول اللہ نے دیا اور جسے قائم رکھا علیؑ ولی اللہ اور آئمہؑ اسباط رسول اللہ نے۔

شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم (آل عمران پ۳) یعنی اللہ، ملائکہ اور اولوالعلم نے شہادت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ وہی عادل ہے معبود حقیقی (لا الہ الا ھو) ہے۔ وہی غالب و دانا ہے ——— لا الہ الا ھو قائما بالقسط میں توحید عدل کا ساتھ ہے۔

یہ ہم مانتے ہیں کہ عدل اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جس طرح اور بہت سی صفات ہیں۔ اور

ذاتی صفات عین ذات ہیں۔ پھر عدل کو توحید کے پہلو بہ پہلو کھڑا کرنا چہ معنی ——— عدل وہ صفت ہے جو ہر دوسری صفت میں استقرار (STABILITY) پیدا کرتی ہے۔ ورنہ وہ رحیم تو ہوتا مگر لوث مراعات کا مرتکب ہو جاتا۔ جبار تو ہوتا مگر عدل کے بغیر ظلم کی حد تک چلا جاتا۔ عدل وہ وسطی صفت ہے جو توحید ذاتی و صفاتی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اللہ کو بے مثل و بے مثال رحیم و جبار بناتی ہے۔ "لیس کمثلہ شیئ" کا سزاوار بناتی ہے۔ ذات میں بھی یگانہ و یکتا اور صفات میں بھی یگانہ و یکتا۔ لا الہ الا اللہ الواحد الذی لیس کمثلہ شیئ۔

اور یہی نہیں۔ عدل جب توحید کے ساتھ منسلک ہوتا ہے تو مسئلہ توحید ایک زندہ قوت (DYNAMIC FORCE) ہو جاتی ہے۔ جو تعمیر سیرت و کردار کے لئے نہایت ضروری اور اساسی محرک بن جاتی ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربیٰ و ینھیٰ عن الفحشاء و المنکر و البغی یعظکم لعلکم تذکرون یعنی اللہ تعالے عدل و احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کا حکم دیتا ہے۔ اور فحش، برائی اور بغی (ظلم) سے روکتا ہے کہ شاید تم سمجھو۔

اوامر و نواہی میں عدل کا حکم خداوندی ہے۔

مومن عادل صاحب تقویٰ ہوتا ہے۔ اعدلوا، ھو اقرب للتقویٰ (المائدہ) عدل کرو کیونکہ وہی تقویٰ کا قریبی ہے۔ مومن عادل کے ہر عمل سے ٹپکے گا کہ وہ عملی ایمان بالتوحید رکھتا ہے ——— وہ حدود اللہ میں محتاط اور عادل، وہ حقوق العباد میں محتاط و عادل ——— عبادات مومن میں تقویٰ پیدا کرتی ہیں۔ اور تقویٰ معاملات میں عدل ——— عدل معاشری و مساوات مجلسی کی بنیاد طہارت و تقویٰ ہے۔

اعتقاد و عمل میں دوئی پیدا کرنے والے ابو القیاس ہی تھے۔ عقائد اسلام پر علم و علم کلام عجیب عجیب بحث و مناظرے کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ تھا کہ فرائض اور اعمال جزو ایمان نہیں (سیرۃ النعمان از شبلی) ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں۔ یعنی جو توحید کی شہادت دے اور بلا شک عملی شرک کا مرتکب ہو پھر بھی وہ مومن ہے۔

اگر ابو حنیفہؒ کا اصول کہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت کو قائم رکھا جاتا تو غزالی، محی الدین ابن عربی، ابن تیمیہ اور ابو طالب مکی کو ہم فقہا کی زبان سے کافر نہ سنتے۔ (سیرۃ النعمان از شبلی نعمانی)

جب فرقہ دوسرے فرقہ کو کافر کہہ رہا تھا اس وقت ابو حنیفہ صاحب پکار رہے تھے۔ لا نکفر احدا من اھل القبلہ یعنی اہل قبلہ میں سے ہم کسی کو کافر نہیں سمجھتے۔ (سیرۃ النعمان شبلی)

عرض کی بات تو یہی ہے کہ اہل قبلہ ہونا عمل کی طرف مفہوم دیتا ہے۔ نہ کہ اعتقاد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

واہ رے غالب کیا بات کہہ دی۔ ؎

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بُت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

اعتقاد و عمل میں رشتہ و پیوند یہی ہے کہ ہر عمل کی افتتاح بسم اللہ سے ہے۔یوں سے ہے۔ باسمہ سبحانہ سے ہے۔

قرآن مجید یعنی کتاب جام و آئینِ دین کی سب سے پہلی آیت اقرا باسم ربک الذی خلق یعنی اے رسولؐ اپنے اس ربّ کے نام سے پڑھ جس نے خلق کیا۔ باسم ربک۔ سورہ حمد اور فاتحۃ الکتاب سبع مثانی جبھی بنتی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کی ایک آیت ہو۔ مگر ایک گروہ نے ہر صورت کے اوپر کی بسم اللہ کو آیہ قرآنی نہیں جانا۔ یوں بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ معرفت و عمل میں دوئی ہوئی۔

قصہ مختصر! معرفت و عمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ معرفت بغیر عمل کس کام کی۔ اور عمل بغیر معرفت اکارت ——— معرفت و عمل۔ توحید و عدل اصل الاصول۔

؎ دین ہو فلسفہ ہو فقر ہو سلطانی ہو
ہوتے ہیں "پختہ عقائد" کی بنا پر تعمیر
حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر
(اقبالؒ)

توحید زندہ قوت اور اُس کی امامت شہید و زندہ جاوید :-

اس عنوان کو علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے کلام سے بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ انھوں نے فلسفہ ذات و صفات کو موضوع بنانے کی بجائے عملی ایمان بالتوحید کو مدنظر رکھا ہے۔ نظریہ توحید اساسی عمل اسلام ہے۔

۱۔ زندہ قوت :- اللہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیوم الخ (آیۃ الکرسی) یعنی وہی اللہ برحق ہے جو حی و قیوم ہے۔ زندہ و پائندہ اور قائم و دائم ہے۔

تعمیر کردار فرد و ملت کے لئے زندہ قوت توحید ہے (توحید کی قوت زندہ عمل پہ منحصر ہے۔ یہی توحید الامم ہے)

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلہ علم کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپاہ دیکھی ہے
قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام
آہ! اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہہ
وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام

قوم و ملت کی امامت اسی کو زیبا ہے جس کے ہاتھ میں قل ھو اللہ احد (توحید) کی تلوار جگر دار ہو۔ اور جس کے کردار و عمل سے مُوَحِّد کامل ہونے کے آثار نمودار ہوں۔ اس کے کردار و سیرت کا محرک لا الٰہ الا اللہ ہو۔ یہ مسئلہ علم کلام نہیں۔ قیل و قال نہیں۔ لیت و لعل نہیں۔ قول و قرار ہے اور محرکِ کردار ہے۔ مومنیت کے کردار کا دار و مدار توحید کی زندہ قوت پہ ہے۔ "دو رکعت کے امام" توحید کی کردار سازی کی قوت کو کیا جانیں۔ ماتھا رگڑنے والے ظنوں کے بت اور دلوں کے شرکِ جلی و خفی میں مبتلا ہیں۔ نمازی اور امامِ نماز کے کردار سے جب تک لا الٰہ الا اللہ نہ ٹپکے تو پھر ایمان با لتوحید کیا؟ وہ موحد جبھی ہے جب کردار و سیرت اور اعمال و اشغال سے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کی بانگ ظاہر ہو۔

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لا الٰہ الا
لغتِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

۲۔ کلمہ طیبہ اور عمل صالحہ :-

لا الٰہ باشد صدف، گوہر نماز
قلبِ مسلم را حجِ اصغر نماز

کلمہ طیبہ صدف ہے اور نماز اس کا گوہر ہے۔ دل مسلم کے لئے نماز حج اصغر ہے۔

در کفِ مسلم مثالِ خنجر است
قاتلِ فحشاء و بغی و منکر است

کلمہ و نماز کفِ مسلم میں وہ خنجر ہے جو فحشاء و منکر کا قاتل ہے۔

۳- رمزِ شوق یعنی رمزِ لا الٰہ الا اللہ :-

وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے
طریقِ شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے
سرورِ جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے
بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے

لا الٰہ الا اللہ میں پوشیدہ رمزِ شوق ہی کارزارِ حق و باطل میں حق کی طرفداری کی وجہ ہے۔ اس رمزِ شوق اور سرورِ راستبازی کو سمجھنے کے لئے اپنے دماغی بت خانہ کو پہلے توڑ۔

۴- بندِ غیر اللہ سے رہائی :- بندِ غیر اللہ سے گلو خلاصی اور خلیع الرسی۔ بندو رسی ماسوا اللہ سے آزادی۔

تا نہ رمزِ لا الٰہ آید بدست بندِ غیر اللہ را نتواں شکست

بندِ غیر اللہ کو توڑ پھوڑ۔ یہی رمزِ لا الٰہ ہے۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری نہ ہے زماں و مکاں لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

عقل زمان و مکان کی زناری بن گئی ہے۔ زمان و مکان اور مال و دنیا جہان اور رشتہ داریاں صرف بتانِ وہم و گماں ہے۔ ان سب باتوں سے جہان صنم کدہ بن گیا ہے۔ اور جماعت کی آستینوں میں بھی بت ہیں۔ صنم کدہ جماعت و جہان کے بتوں کو کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ سے توڑ۔ شوقِ حق کے محرک لا الٰہ الا اللہ میں جو رمز پوشیدہ ہے جو حق کی طرفداری کے لئے اکساتی ہے اسے مہمیز دے اور باطل کے ہر بت کو توڑ ڈال۔ ابراہیمؑ یعنی مسلمِ حنیف کا کردار یہی ہے۔ اس کی صدِ نفیت و موحدیت بُت شکنی ہے۔ اور بت شکنی کی وجہ وہ قوت ہے جو پوشیدہ لا الٰہ میں ہے۔

خودی کا سرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ خودی ہے تیغِ فساں لا الٰہ الا اللہ

تیری ذات کی علویت اور کردار کی جرأت کا سرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ ہے۔

(باقی آئندہ)

بیساختہ و برجستہ

(از جناب خواجہ معراج الدین صاحب امرتسری جنرل سیکرٹری ادارہ معارف اسلام لاہور)

صداقت :- باب مدینۃ العلم کی ضیاء باریاں مسلم تو مسلم غیر مسلموں تک بھی ہو رہی ہیں۔ یہ ایک خاص عطیہ پروردگار ہے جس کو چاہے عطا کرے۔ حضرت کوثری کوئی شیعہ گھرانے کے فرزند تھے۔ شریمتی روپ کنوار صاحب کو تو لوگ خوب جانتے ہیں۔ باوجودیکہ شیعہ ہونا تو کجا اسلام سے بھی ان کی آغوش مادر کو خبر نہیں حضرت آسی دہلوی وغیرہ غرضیکہ آپ محبت کے معیار کو تنگ نہ سمجھیں کہ ہمیں ہی آلِ اطہار سے محبت ہے۔ یہ دل کو جلا کرنے والا نور جو شخص چاہے دامِ الفت میں پھنس کر حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ کچھ بصیرت اسے حاصل ہو جاوے۔ اور نصرتِ پروردگار شاملِ حال ہو۔

میرے سامنے ہمارے نوجوان محترم اسلم نصرت صدیقی مدظلہ العالی نائب صدر مجلس محبان اولیائے کرام مغربی پاکستان کا خطبہ صدارت جو بتقریب یوم حیدر کرار کانفرنس منعقدہ ۲۹ فروری ۲۶ مارچ گذشتہ بمقام علیؑ پارک لاہور ہے جو کہ نصرت صاحب نے نصرت ذات کبریا سے سرشار ہو کر فرمایا کہ محبان اہلبیت علیہ السلام کے مطالعہ کے لئے اس خطبہ صدارت کو لفظ بہ لفظ درج ذیل کرتا ہوں۔ امید ہے مومنین اس سے اپنے ایمان کو تازہ کر کے اپنے آقا و مولا جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعی فرمائینگے :-

اس اجتماع کے انعقاد کی غرض و غایت اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ہم سب اس لئے یہاں جمع ہوئے ہیں کہ خاندان رسالت پناہؐ کے گلشن شاداب کے اس گلِ سرسبد کو خراج عقیدت پیش کریں کہ جس نے کم سنی کے دورِ معصومیت سے لے کر پیری کی شامِ الم تک اپنے عہد و پیمان کو اس طرح نبھایا کہ انسانیت، اطاعت و فرمانبرداری، ایثار و قربانی، زُہد و تقویٰ، بہادری و شجاعت غرض اس قسم کے جس قدر الفاظ حسنِ صفت کی معرفت ہم تک پہنچے ہیں۔ اُن سب کا اختتام اس ذات گرامی پر ہو جاتا ہے جسے ہم مولائے کائنات اور تاریخ علیؑ ابن ابی طالب کہکر پکارتی ہے۔

تاریخ مذاہب عالم کا مطالعہ کر جایئے۔ ایک ایک شخصیت، ایک ایک کردار، ایک ایک علم کے طرزِ عمل، ضابطہ حیات اور طریق زندگی کو بغور دیکھ لیجئے لیکن اسلام اور صاحب قرآن کی زندگی اور ان کے پاک خاندان کی زندگی سے کسی کو ادنےٰ درجے کی بھی نسبت نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے کہ

یہ ہستیاں بجائے خود میزانِ عدل تھیں۔ پہلے خود ان کی ذات نمونۂ عمل قرار پائیں۔ پھر دوسروں کو نقشِ قدم پر چلنے کی دعوت دی۔ کسی مقام پر بھی آپ کو قول و فعل میں تضاد نظر نہیں آئے گا۔ ان کا چشمۂ صافی نہ ذہنی انارکی سے ملکدر ہے نہ فکری انتشار کے خس و خاشاک سے آلودہ۔ ایک صاف شفاف بحرِ بیکراں ہے کہ جو نورانی لہروں کو اچھالتا ہوا انسانوں کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے۔ مولائے کائنات کی حیاتِ مقدسہ صدیاں گزرنے کے باوصف ہمیں مسلم معاشرے میں اسی آن بان، اسی تزک و احتشام، اسی عظمت و جلالت سے بھرپور متحرک نظر آ رہی ہے۔ ان کی زندگی کے عمل کی قندیل ویسے ہی درخشاں و تابندہ دکھائی دیتی ہے جیسی قرنِ اول میں تھی۔ یہ سعادت کسی دوسرے کے حصے میں کیونکر آ سکتی ہے۔ ؎

بکعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

برادرانِ اکرم :

تیرہ صدیاں گزر گئی ہیں اور نت نئی اختراعات و ایجادات نے انسانی فکر و نگاہ کو اپنی طلسم کاریوں اور شعبدہ بازیوں سے محزدہ کرنے کو بڑی شدت سے کارگزاریاں دکھائی ہیں۔ لیکن دلوں کی آباد دنیا میں تفکر کی لامتناہی وسعتوں میں خیالات کی ان دیکھی پہنائیوں میں ایک ہی ہستی ہے جو سب سے الگ سب سے تنہا اور منفرد نظر آتی ہے۔ وہ ہستی صاحب "نہج البلاغت" کی ہے۔ جن کی تحریروں میں آج بھی فہم و فراست، درجے کے عالمانہ تجزیئے کی مثالیں تابندہ و روشن دکھائی دیتی ہیں۔ جناب امیرؑ نے حضورؐ کے اعلانِ نبوت کے بعد اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔ وہ منظر آج بھی ارض و سما کی فضا میں منقش ہے جسے دیکھنے کے لئے جبرئیلؑ کے فیضانِ عشق کی ضرورت ہے۔ کہ ایک ۱۲ سالہ بچے نے بھرے مجمع میں نبوتِ صادقہ کے جواب میں کہا تھا۔ یا رسول اللہ میں آپؐ کی نصرت کروں گا۔ یہ نصرت کسی شہنشاہ کی نصرت نہ تھی۔ کسی صاحبِ اقتدار کی نصرت نہ تھی۔ کسی ایسے فرد کی نصرت بھی نہ تھی کہ جس کے قدموں میں سیم و زر کے انبار ہوں۔ لشکر و سپاہ جس کی پشت پر ہو۔ دنیاوی وجاہتیں جس پر سایہ فگن ہوں۔ بلکہ یہ نصرت ایک ایسے فردِ واحد کی نصرت تھی جس کے ساتھ اگر تھا۔ تو اس کا ربِ اکبر تھا۔ یہ درست ہے کہ جس کے ساتھ ربِ اکبر ہو اسے کسی کی کیا ضرورت تھی لیکن !!

صاحبان :

زمین کے مسائل زمین پر طے کرنے کی ایک نئی رسم ڈالی جا رہی تھی۔ قیامت تک کے لئے ایک ضابطۂ حیات ترتیب دیا جانے والا تھا۔ پوری چھ صدیاں گزرنے کے بعد آخری مرتبہ آسمانی رحمت کے دروازے زمین والوں پر کھلنے والے تھے۔ ملائکہ مقربین آسمان سے پوری چھ صدیاں

گزرنے کے بعد آخری مرتبہ خدائے قدوس کے انعامات کو لے کر اُترنے والے تھے۔ اب اس کے بعد کائنات ارضی کو نہ کسی ہدایت کی ضرورت باقی رہے گی۔ نہ ہی اب کوئی آسمان سے خدائی پیغام لے کر آئے گا۔
اس قدر اہم اور فیصلہ کن منزل میں ایک معصوم بچہ پکار کر کہتا ہے۔ کہ یا رسول اللہؐ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ پھر تاریخ نے دیکھا کہ اس بچے کا عہد ریتوں کا نازک پتہ نہیں کوہ صفا تھا۔ کہ زمانے کی کوئی گردش، وقت کا کوئی سانحہ، حالات کی کوئی الٹ کی، نہ اُس کے پائے استقلال میں لغزش لا سکی۔ نہ اس کے ارادوں کی راہ روک سکی۔

اللھم صل علیٰ سیدنا محمدؐ وعلیٰ آل سیدنا محمدؐ و بارک وسلم

یہ مقام درود و سلام تھا اور جذبات کا تقاضا تھا۔ کہ اس ہستی پر سلام بھیجا جائے جس نے انسانیت کی سلامتی کے لئے سرکارِ انبیاءؐ کے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ آئیے غیر جانبدار، خدا ترس اور خوفِ الٰہی سے لرزنے والے مورخ سے پوچھیں۔ کہ اس بچے نے ایفائے عہد میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی۔ ہر وہ شخص جو سینے میں دل اور دل میں درد کی لذت محسوس کرتا ہے۔ وہ یقیناً یہی کہے گا کہ اس بچے نے اپنا عہد و پیمان نبھانے کے لئے مصائب کی گھاٹیوں، امتحان کے خارزاروں، مجبوری کی شکن پگڈنڈیوں کو ہنستے کھیلتے عبور کیا۔ اس عہد کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا۔ لیکن اگر نہیں چھوڑا تو مکے والے کو نہیں چھوڑا۔ مدینے والے کو نہیں چھوڑا۔ کیا تاریخ مذاہب عالم کسی ایک جان نثار، کسی ایک فدائی، کسی ایک ساتھی کو جناب امیر علیہ السلام کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر سکتی ہے۔ عدل گستری جن کے خمیر کی زینت۔ انصاف اور خدا ترسی جن کے دروازے پہ دربان۔ علم و عمل میں حق کا پرچم بلند ہو انہیں دنیا اور اس کی لذتیں کیونکر اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہو سکتی جناب امیر علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ایک مینار ہے۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لئے، فدا کار و جان نثار کے لئے، ایک سچے انسان کے لئے کہ جو زندگی کی بنیادی قدروں کی اہمیت سے باخبر ہونا چاہتا ہے جو چاہتا ہے کہ نظامِ حکومت میں عدل و احسان کی فرمانروائی ہو تو اسے سب سے پہلے باب مدینۃ العلوم کی جانب رجوع کرنا ہوگا کہ اس ذات والا صفات کے علاوہ یہ دولت لازوال کہیں نہیں مل سکتی۔

دنیا سپہ سالاروں۔ جہاں داروں اور جہاں بانوں کی سوانح عمریوں سے بھری پڑی ہے اس میں ہلاکو اور چنگیز کا نام بھی آتا ہے۔ اور ہٹلر و ہنی بال کا بھی۔ اس میں روم کے جیسے نامی شہنشاہ بھی نظر آتے ہیں۔ اور یورپ کے فرمانروا بھی۔ لیکن ایک شخص بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا کہ وہ ایک وقت میں ایک سلطنت کا امیر بھی ہو۔ اور فاقہ کش فقیر بھی۔ تاریخ یہ تو بتاتی ہے کہ فلاں بادشاہ کے دسترخوان پر اس قدر کھانوں کی فراوانی ہوتی تھی۔ اتنے لونڈی اور غلام تھے۔ جاہ و جلال کا یہ

پکار نکل جاتا ہے کہ "میرا مولوی جیت گیا" - یہ الفاظ برزبان آگئے کہ مولانا سید امداد حسین صاحب کاظمی واقعی امداد ملت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ہستیوں کو سلامت رکھے جو ہمیشہ ہمارے ایمان کو قرآنی نقطہ نظر سے تازہ فرماتے رہتے ہیں۔

نصرت غیبی :- لا انتہاء مصائب سید الشہداء اور مظلومیت کی انتہا دیکھ کر بعض اعتراض پسند طبیعتوں اور بعض مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نواسہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فرزند جگر بند رسول حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام اور ولی خدا حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے جگر گوشہ اور نیز برادر محترم حضرت حسن مجتبےٰ علیہ السلام ہوتے ہوئے بھی مصائب و آلام دنیا سے ہمکنار رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد نہ فرمائی۔ میرے محترم بزرگوں یعنی علماء کرام نے گو کافی روشنی نصرت غیبی پر ڈالی اور مقررین صاحبان نے بھی کافی توجہ مبذول فرمائی کہ خداوند تعالیٰ نے ہی ہر موقع پر سید الشہداء علیہ السلام کی نصرت فرمائی۔ مگر کوئی جامع کتاب ان بزرگواروں نے ایسی نہ تحریر فرمائی جو کہ مفہوم نصرت غیبی پر مکمل بحث کر سکے۔ ہمیں مولانا مولوی فرزند علی صاحب قبلہ فیروزپوری پیش نماز مسجد علامہ حائری (اعلی اللہ مقامہ) کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ ان بزرگواروں نے باوجودیکہ تقاضۂ عمر معروفیت کثیر کے ایک جامع کتاب "نصرت غیبی اور حسینؑ" تحریر فرما کر ہمارے ایمان کو تازہ فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے زور قلم کو زیادہ کرے۔ آمین۔

عجیب ورثہ :- فی زمانہ یہ حق کسی سے چھینا نہیں جا سکتا کہ وہ اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرکے اپنے مسلک کو حق ثابت کرنے کی کوشش کرے مگر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ قرآنی احکام کو ظاہر بظاہر توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کے مطابق لوگوں کے غلط راستہ پر جانے کا باعث بنے اور خواہ مخواہ دوسرے مسلک کو برا کہے۔

معاصر فاران کراچی اپنے خیالات کا اظہار جو چاہے کرے ہمیں کوئی غرض نہیں مگر تعجب یہ ہے کہ وہ صاحب لکھتے لکھتے بغیر کسی کے پوچھے قرآنی آیہ کا خودساختہ غلط مطلب پیش کرکے اپنی مخصوص جماعت کو خوش کرنے کی خاطر اشارتاً مذہب حقہ کی تذلیل بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ فاران کراچی مئی ۱۹۶۱ء کے صفحہ ۱۰ پر آیہ قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے فاضل محرر نے پورے طور پر "تفسیر بالرائے" کا پہلو نمایاں کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

"وورث سلیمان داؤد وقال یا ایها الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیء ان هذا لهو الفضل المبین۔"

آیت وارثت سے مسلمانوں کا ایک گروہ استدلال کرتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو حضرت داؤدؑ کی حکومت بطور میراث کے ملی۔ اس لئے سنت انبیاء یہ ہے کہ نبی کی وراثت اس کے قریب ترین

عالم تھا کہ درباری پتھر کے بُت بنے ہوئے تھے۔ لیکن ایسی کوئی نظیر ایسی کوئی مثال ہمیں تاریخ کے صفحات پر نظر نہیں آتی کہ وقت کا امیر بھی ہو اور کوفہ کی مسجد میں سوکھی ہوئی روٹیاں پانی میں بھگو کر بھی کھا رہا ہو۔ تاریخ نے یہ تو بتایا کہ فلاں شہنشاہ نے کسی سے خوش ہو کر اسے اتنے ہزار درہم و دینار بخش دئے۔ لیکن ایسی ایک بھی مثال نظر نہیں آتی کہ روزے دار امیر سلطنت نے اپنے افطار کی خشک جَو کی روٹیاں سائل کو دے کر ساتھ ہی سائل سے معذرت کی ہو کہ بھائی اس وقت میرے پاس یہی کچھ ہے میں تجھ سے شرمندہ ہوں کہ تیری مزید مدد نہیں کر سکتا۔ نماز میں رقت قلب کی مثالیں صوفیاء و فقرا کے ہاں عام سنی جاتی ہیں۔ لیکن حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرنے والے تاریخ نے کتنے انسان پیش کئے ہیں۔

برادران مکرم !

سوچئے کہ ۱۹ رمضان المبارک کو جناب امیر علیہ السلام نے محراب مسجد میں کیا کہا تھا۔ اگر میرا حافظہ میرا ساتھ دے رہا ہے تو ملعون ابن ملجم کی تلوار لگتے ہی ایک پکار اس کائنات نے سنی تھی۔ وہ پکار نہ تھی۔ اعلان حق و صداقت اور اپنا تجدید عہد تھا۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔

فزت برب الکعبہ

"خدائے کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا"

یہ کامیابی اگر ایک طرف تکمیل امامت و شہادت پر منتج ہوتی تھی تو دوسری طرف اس امر کا اشارہ بھی ہے کہ

"یا رسول اللہ علی نے جو بچپن میں وعدہ کیا تھا اسے بڑھاپے کا خون نذر کر کے مکمل کر دیا ہے"۔
ایک روزہ دار، ایک فقیر بادشاہ، ایک دلق پوش امیر کی زندگی۔ اس کی ایک ایک سانس کس مقصد کے لئے صرف ہوئی اس لئے کہ جان جائے لیکن عہد وفا پر حرف نہ آئے۔ اور اس شہادت اقدس کے بعد کوفہ کی مسجد سے لے کر کربلا کے ریگ زار تک عہد و پیمان کی ایک زنجیر ہے جس کی کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ ایسی ملی ہوئی نظر آتی ہیں کہ عقل و ہوش گم ہیں"۔

مقام ولائت

میں اگر اپنے ادارہ کے نگران اعلےٰ کی تعریف میں چند الفاظ لکھ دوں تو لوگ شاید میری تحریر کو خوشامدانہ تحریر خیال فرما دیں۔ مگر نہیں یہ یقین فرمائیں کہ آج تک کسی میرے بزرگ علمائے کرام میں سے مقام ولایت پر استدلال نہیں فرمایا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے محترم علما صاحبان اس کو جانتے نہ تھے اور لکھ نہ سکتے تھے بلکہ میری غرض و غایت یہ ہے کہ کبھی انہوں نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ میں نے جب یہ مضمون مقام ولایت صفحہ ۲۵ ماہنامہ معارف اسلام لاہور مئی ۱۹۶۱ء پڑھا تو بے ساختہ جیسا کہ پہلے بھی کبھی میرے منہ سے

ترکہ ورثا کو ملنی چاہئے۔ اس لئے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مال ومنال اور حکومت چھوڑی وہ بطور میراث آلِ رسولؐ کا حق ہے۔ مسلمانوں کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ جہاں تک مال و دولت کا تعلق ہے۔ رسولؐ خدا نے کوئی قابل لحاظ ترکہ نہیں چھوڑا اور جو کچھ چھوڑا اس کی بابت خود فرما دیا کہ ہم گروہ انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں نہ مورث۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے قرآن کی نص صریح ہے کہ مسلمانوں کا امر آپس میں مشورہ کرنا ہے۔ ان بحثوں کو جو دونوں فریقین میں ہوتی ہیں بالائے طاق رکھ کر آپ پر غور کیجئے۔ یہاں نہ مال ومنال کا ذکر ہے نہ حکومت وخلافت کا ذکر ہے۔ بحث ہے ایک مخصوص علم کی جس کی بنا پر حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کو اس شرف کا احساس اور ناز تھا کہ ہم کو خدا نے اپنے ایمان دار بندوں میں سے بہتوں پر (جن میں انبیاء بھی داخل ہیں) فضیلت دی ہے۔ یہ علم حضرت داؤدؑ کو جیسے بھی ملا ہو حضرت سلیمانؑ کو میراث پدر کے طور پر ملا تھا اور اس میراث کو پانے کی وجہ سے انہوں نے اعلان کیا کہ ہم کو منطق الطیر کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہی وہ مخصوص علم تھا جس کی بنا پر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ دونوں خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔
کہ ہم کو بہت سے ایمان دار بندوں پر فضیلت بخشی گئی ہے۔"

اولاً یہ عرض کر دوں کہ "...... حافظہ نہ باشد" کے اصول کے تحت اس آیہ کریمہ کے نیچے اس آیہ کو سورۂ سبا کی آیہ بتایا گیا ہے۔ تاکہ لوگ ڈھونڈ نہ سکیں اور جو کچھ ہم نے لکھ دیا اس پر ہی واہ واہ سے دل خوش کن لطف حاصل کریں۔ درآنحالیکہ یہ آیہ محترمہ سورہ نمل سے ہے سورہ سبا کی نہیں۔

دوئم فرماتے ہیں کہ فرمایا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ہم گروہ انبیا نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث۔ مگر یہ زبانی زبانی فرمانا درست ہے۔ کبھی کر کے دکھا دیا ہوتا تو بات صاف ہو جاتی جناب مولوی صاحب! مکہ معظمہ میں جہاں حضور پرنورؐ کے آباو اجداد رہتے تھے۔ آخر وہ مکان جو کچھ اس میں سامان تھا وہ ضرور صاحب معراجؐ نے ورثہ میں پایا ہوگا۔ کیا وہ سامان یا مکان آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیا یا کہ لٹوا دیا کہ لوگو! ہم تو مورث نہ کسی کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا آؤ لے جاؤ بخشش الگ چیز ہے وہ اپنے ورثہ کو لٹوانے میں نہیں آتی۔ اپنا مال چاہے ورثہ سے ملا ہو یا چاہے خود پیدا کردہ خدا کی راہ میں دے دینا اور چیز ہے۔

سوئم۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کن الفاظ سے صاحب تحریف نے یہ نتیجہ نکالا کہ علم ہی ورثہ میں ملا تھا آپ تفسیر بالرائے کو علیحدہ رکھتے ہوئے آیہ کریمہ کی عبارت کو غور سے پڑھیں۔ یعنی مورث سلیمانؑ داؤدؑ تک تو کلام خدا ہے کہ حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ کمل ورثہ جناب داؤد علیہ السلام کا یعنی حکومت، ساز و سامان وغیرہ کے حضرت سلیمانؑ وارث نہیں بلکہ صرف علم کے ہی وارث ہیں۔

حکم خدا سے تو صاف ظاہر ہے کہ حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے مکمل طور سے وارث ہیں۔ اور مولوی صاحب صرف علم کے وارث فرماتے ہیں۔ آگے چل کر "وقال" سے حضرت سلیمان کا اپنا کلام ہے کہ لوگوں میں اور میرا باپ یعنی ہم کو بول پرندوں کے سکھائے گئے ہیں۔ (وقال یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر) یعنی دونوں کو خدا کی طرف سے اپنی اپنی ذات کیلئے علیحدہ علیحدہ سکھائے گئے ہیں۔ یہ نہیں کہ خدا کی طرف سے صرف داؤد کو سکھائے گئے۔ اور پھر یہ علم وراثت کے طور پر سلیمانؑ کو پہنچی۔ بلکہ لفظ "علمنا" سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں سکھائے گئے۔ واوتینا من کل شیئ۔ اور دیئے گئے ہیں ہر چیز میں سے یعنی علم میں سے بھی اور مال (بادشاہی بھی) جب "کل شیئ" ہے تو وراثت بھی کل شئی ہی کی ہے۔ ان ھذا لھو الفضل المبین تحقیق یہ بخشش خدا کی ہے اور البتہ بزرگی ظاہر ہے اور فضیلت روشن ہے کہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔

چہارم۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے علم کو ہی فرض کریں کہ علم ہی بطور وراثت حضرت سلیمانؑ کو حضرت داؤدؑ سے ملا۔ تو اس صورت میں بھی جناب سرور کائناتؐ کا ورثہ جو کہ علم تھا وہ بھی تو کسی کو ضرور ملا ہوگا بے شک علم بہترین ورثہ اور معیار بزرگی ہے۔ علم سے ہی حضرت آدمؑ فرشتوں سے افضل قرار پائے۔ جبکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا علم صرف ذات محمدؐ مجتمع تھا۔ تو یہ بھی ضرور کسی نہ کسی کو ورثہ میں ملا۔ پس آنکھیں کھولیں اور غور فرمائیں اور اپنی ہی تحقیق پر مرکوز ہوتے ہوئے صاف لکھ دیں کہ وہ کون شخص تھا جس کو علم نبوت و رسالت ورثہ میں خاتم انبیاء کے بعد ملا۔ اچھا شاید آپ کو اور تعارف کی ضرورت ہو تو حدیث شریف انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا کا مطالعہ فرمالیں۔ لو جی پھر ادھر ادھر پھر پھرا کر صرف اور صرف علی علیہ السلام کی ذات ہی نکلی جس کو حضورؐ کا وارث قرار دیا جاسکے۔ اگر حضرت سلیمانؑ اولاد داؤدؑ ہونے سے نزدیک تر ہیں تو میرے مولا امیر المومنینؑ کئی وجہ سے نزدیک تر سے نزدیک تر ہیں۔ خاندانی شرافت سے ایک حقیقی چچا ہی کے نہیں بلکہ پرورش کنندہ کے بیٹے اور اپنے بھائی بھی تھے۔ اپنی جگر گوشہ عصمت و طہارت کے سرتاج اور اپنے بیٹوں کے یعنی سردار اہل جنان کے باپ۔ اس سے زیادہ کون قریبی رشتہ وراثت کا ہوگا۔ تو بھائی علم کو ہی وراثت جان لیں اور ورثہ میں یہ علی علیہ السلام کے سپرد کر دیں۔ ہمارا مطلب آپ کی تحریر سے واضح۔ جو علم میں افضل وہ سب سے افضل۔ دیگر بزرگان کو اپنے حال میں رہنے دیں۔ اور میرے مولا کا دامن پکڑ لیں۔

پنجم۔ دیکھئے خود ساختہ حدیث کی طرف نہ جائیں۔ کہ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔ آپ حدیث پیش کر رہے ہیں۔ جس کی تصدیق و تائید کے لئے کوئی ایک بھی آیہ قرآن میں موجود نہیں۔ اور ہم آپ کے فرمانے کے مطابق آیہ قرآن سے استدلال کر رہے ہیں خود ہی فرماویں کہ کون سی حدیث

نوٹ:۔ جو حدیث پیش کی گئی ہے اس میں تو یہ ہے کہ انبیاء کا ورثہ ہوتا ہی نہیں بلکہ صدقہ ہوتا ہے۔ لہذا ان کے نزدیک علم بھی صدقہ ہوا۔ تو چاہئے صدقہ نہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ قرآن میں صاف لفظ ورثہ کا موجود ہے۔ (غیاث الدین)

لینی چاہیئے یا نہیں۔ یا یہ قرآن حکیم ہی خود ساختہ حدیثوں سے بہتر ہے۔ ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون [له] (پ ۵ ع ۵)

ششم۔ ورثہ کے لفظی معنی سے تو ثابت ہوتا ہے کہ کوئی چیز مکان یا سامان وغیرہ ہو۔ علم ورثہ میں کس طرح آسکتا ہے۔ علم چھوڑا نہیں جاتا سکھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اسی آیہ مبارکہ میں حضرت سلیمانؑ فرماتے ہیں کہ ہمیں علم سکھایا گیا۔ علم سیکھنے کی چیز ہے۔ بانٹنے کی نہیں۔ اگر آپ بانٹنے پر ہی بضد ہوں گے تو فرمائیے کہ ہر ایک نبی یا پیغمبر کے صرف ایک اولاد نہیں ہوتی۔ بلکہ کئی کئی اولادیں ہوتی ہیں۔ اب علم کو ورثہ میں لے کر بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم کریں تو کیونکر۔ کوئی عقلمند سے عقلمند بھی اس کا قائل نہ ہوگا۔ کہ علم تقسیم شدہ ورثہ ہے۔ ہاں البتہ سکھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا قول کہ مجھے سرکار دو جہاںؐ نے ایک ہزار باب علم کے پڑھائے یا سکھائے۔ اور ہر ایک باب میں مجھے ایک ایک ہزار باب علم اور مل گئے۔ بدیں وجہ میں وارث علم پیغمبر آخر الزماں ہوں۔

ہفتم۔ آپ قرآن کریم کو الحمد و الم سے شروع کر کے والناس تک پڑھ جائیے۔ جہاں جہاں بھی احکام خداوندی ہیں۔ مثلاً حکم نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ خمس۔ حج۔ جہاد وغیرہ وغیرہ جب یہ احکام نازل ہوئے تو حضور پرنور نے تمام احکام کو خود کر کے دکھا دیا۔ کہ یوں کرنے چاہئیں۔ نماز کو پڑھ کر کہ یوں قیام۔ رکوع اور سجود ہے۔ روزہ کو رکھ کر اور وقت معین کر کے کہ اس وقت سے اس وقت تک۔ زکوٰۃ کو ادا کر کے خمس اپنے اہل بیتؑ میں تقسیم کر کے۔ فریضہ حج کو ادا کر کے اور جہاد کو لڑ کر تمام باتیں ذہن نشین فرما دیں۔ تعجب ہے کہ احکام وراثت پر آپ نے کچھ نہ کیا۔ جبکہ چھوٹی سے چھوٹی ضروریات زندگی کے سب مفصل باتیں کر کے دکھا دیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صرف بعد ازاں بنائی گئی۔ اور وہ بھی اس لئے کہ آلِ رسولؐ کو کوئی شرف حاصل نہ ہو۔ اور وہ اپنی زندگی کو بے کسی اور بے بسی کی حالت میں گزاریں۔ اور ایسا ہی کیا گیا۔

نتیجہ۔ اصل اس تفسیر بالرائے کی یہ ہے کہ ان بزرگوں کی باتوں کو مخفی رکھا جاوے جن کے برسر اقتدار آنے سے آلِ رسولؐ کو برات سے محروم ہونا پڑا۔ ورنہ حضور سرورِ کائنات کا آلِ رسولؐ کو نہ دینا صرف اس لئے تھا کہ آلِ رسولؐ کا وقار دنیا کی نظر میں کم ہو جاوے چونکہ مفلس ہیں گے۔ اس لئے کوئی بھی ان کی طرف رجوع نہ کرے گا۔ مگر نہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر ورثہ مل بھی جاتا تو یہ آلِ رسولؐ پھر بھی اُمت ہی کے مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ جو روٹی میسر ہوتے ہوئے بھی تین تین دن متواتر فاقہ کشی کریں۔ بلکہ تینوں یوم متواتر صوم سے گزار دیں۔ ان ہستیوں کو اگر تمام دنیا بھی مل جاتی تو وہ خود پاس نہ رکھتے۔ بلکہ فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ مگر ان کی تقسیم خود کرنے سے لوگ ان کی طرف راغب ہوتے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت بیٹھ جاتی۔ صرف عظمت آلِ محمدؐ کو برباد کرنے کے لئے بیشمار خود ساختہ حدیثیں تراشی گئیں۔ اور قرآنی آیات کو پس پشت ڈالا گیا۔ جس کا نتیجہ میدان کربلا میں ظاہر ہو کر سب کے سامنے آنے سے نہ رک سکا۔

[له] اس آیت میں الٰہی کا فیصلہ ہے۔ یعنی نبی وغیرہ ہر ایک کے وارث مقرر کر دیئے۔ کسی کے بے دخل کرنے کا استحقاق نہیں (کا)

استفسارات

وقف - قتل مومن - اولی الامر منکم - مسئلہ تقلید - علیاً ولی اللہ جزو اذان

سوال :- منجانب محترم نثار مرتضوی - تھوہا خالصہ - راولپنڈی

مکرم بندہ نواز جناب سیکرٹری صاحب ادارہ معارف اسلام لاہور

سلام علیکم - نہایت ادب سے گزارش ہے - کہ مندرجہ ذیل دو سوالات کا جواب آئندہ شمارہ "معارف اسلام" باب الاستفسارات میں دے کر مشکور فرمادیں -

۱ - ایک شخص نے ایک بزرگ کے فیض صحبت سے مذہب حقہ شیعہ اثنا عشریہ اختیار کیا - بزرگ موصوف جب زیارت کے لئے کربلائے معلےٰ تشریف لے گئے - تو اُس شخص کو اپنے ذاتی اخراجات پر ہمراہ لے گئے - واپسی پر انہوں نے ایک زمین کا قطعہ زر خرید کر کے پرچم حسینی بلند کیا - اور عزاداریٔ سید الشہداء کی بنا رکھی - عرصہ تک عزاداریٔ مظلوم کربلا ہوتی رہی - بزرگ کی وفات کے بعد حزب اختلاف نے عزاداریٔ سید الشہداء کو مٹانے کی غرض سے وقف مذکور کو وراثت میں منتقل کیا جس میں شخص مذکور (نو مومن) نے عدالت میں شہادت دی - کہ زمین مذکور حزب اختلاف اہلسنت والجماعت کی وراثت ہے نہ کہ وقف - بہ حیثیت شیعہ شہادت دیتا ہوں - اور اسی شہادت پر یہ شیعہ وقف اہلسنت والجماعت کے نام منتقل ہو گیا - آئمہ معصومین کے اقوال کی روشنی میں شہادت دہندہ کے متعلق فتویٰ مطلوب ہے -

۲ - ایک مجلس بانی ایک شخص کی سازش سے شہید کر دیا گیا - جو علاقہ کے سادات اور مومنین پر روز روشن کی طرح واضح ہے - موجودہ مجلس بانی نے سب کچھ جاننے کے باوجود سازش کنندہ کی لڑکی سے شادی کر لی - حالانکہ خسر صاحب اہلسنت والجماعت اور داماد صاحب کلمہ شریف سے نابلد - ایسے شخص کی بپا کی ہوئی مجلس عزا کی مقبولیت اور شمولیت کرنے والے حضرات کی مومنیت کے متعلق فتویٰ مطلوب ہے - جواب سے سرفراز فرمادیں - مشکور رہوں گا -

جواب :-

۱ - فتویٰ کے لئے مجتہد جامع الشرائط کی طرف جس کی آپ تقلید میں ہیں رجوع کریں - کسی جگہ پر محض پرچم حسینی بلند کر دینے سے وہ جگہ وقف نہیں ہو سکتی - اس طرح تو شیعوں کے گھر گھر میں علم بلند ہیں - وقف کے کچھ شرائط ہیں - اور صیغہ وقف کا پڑھا جانا بھی ضروری ہے

صورت مرقومہ میں یہ بات واضح نہیں کی گئی۔ اس لئے جب تک اس کی وضاحت نہ ہو ہم تفصیل سے جواب نہیں دے سکتے۔ واللہ اعلم

۲۔ فتوے کے لئے اپنے مجتہد جامع الشرائط کی طرف رجوع کریں جس کی آپ تقلید میں ہیں۔ کسی شخص کا سازش کر کے کسی مومن کو ناحق قتل کرا دینا فعل حرام ہے۔ اور اس قسم کی سازش کرنے والا بشرطیکہ حسب احکام شریعت اس کا سازش کرنا ثابت ہو جائے فعل حرام کا مرتکب ہوا ہے۔ لڑکی بے قصور ہے۔ اور کسی کا اس لڑکی سے حسب احکام شریعت نکاح کرنا منع نہ ہوگا۔ بشرطیکہ دیگر شرعی موانعات نہ پائے جاتے ہوں بشمول اہلسنت والجماعت اور داماد گھر سے علیحدہ۔ تو آپ کو اس سے کیا؟ نکاح کے لئے اسلام شرط ہے۔ مجلس عزا کوئی بھی بپا کرے۔ اگر موانعات شرعی نہ ہوں تو شامل ہونا منع نہیں۔ واللہ اعلم۔

سوال۔ منجانب سید منظور حسین نقوی۔ گنپت روڈ۔ لاہور

میرے ایک دوست جو مسلک اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں "معارف اسلام" میں اولی الامر منکم کے متعلق جو گذشتہ اعتراض کا جواب شائع ہوا تھا۔ اس پر کچھ مزید روشنی چاہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس کے متعلق پوری آیت یوں ہے۔

یاایہا الذین امنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذالک خیر و احسن تاویلا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں خطاب اہل ایمان سے ہے۔ اس لئے منکم سے مراد اہل ایمان کی جگہ پر اہلبیت کی خصوصیت کیسے ثابت ہوتی ہے۔

فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول اس بات پر دال ہے کہ اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کیا جائے نہ کہ اولی الامر کی جانب۔ چونکہ اللہ اور رسولؐ سے اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اولی الامر کی اطاعت رسولؐ کی طرح کس طرح ثابت ہوئی۔ جواب قرآن اور حدیث کی روشنی میں دیویں۔

جواب :۔ تعجب ہے کہ سائل دائرہ اہل ایمان میں اہلبیتؑ کو شامل نہیں سمجھتا! درآنحالیکہ نہ صرف اہلبیت علیہ السلام بلکہ انبیاء کا گروہ بھی "اہل ایمان" میں شامل ہے۔ دیکھئے قرآن میں ایک آیت ہے و للہ العزۃ و لرسولہ و للمومنین

(پ ۲۸ ع ۱۴ سورۃ المنافقون) یعنی عزت تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے اور اُس کے رسولؐ کے لئے (یعنی جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) اور مومنین کے لئے۔ غور فرمائیے کہ آیت میں صیغۂ حصر استعمال ہوا ہے۔ گویا کہ عزت کے لئے اللہ ج م۔ رسولؐ اور مومنین کے گرد معنوی لحاظ سے حصار کھینچ دیا گیا ہے کہ بس عزت صرف ان ہی کے لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا دیگر انبیاء و مرسلین و آئمہ طاہرینؑ قابلِ عزت نہیں؟ معاذ اللہ۔ یقیناً یہ سب حضرات قابلِ عزت و تکریم ہیں۔ لہٰذا سوائے اِس کے اور کچھ مطلب و مفہوم اِس کا نہیں لیا جا سکتا۔ کہ انبیاء و اولیاء لفظ "مومنین" میں شامل ہیں۔ اور اہلبیتؑ اطہار لفظ رسولؐ میں۔ جس طرح کہ درود شریف میں لفظ رسولؐ ہی کے ماتحت آلِ محمدؐ پر درود بھیجا جاتا ہے۔ پس جس طرح دائرۂ انسانیت سے انبیاء و اوصیاء خارج نہیں اسی طرح دائرہ ایمان سے بھی وہ خارج نہیں بلکہ بروئے عقل قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ "جو سب سے زیادہ کسی صفت کا اہل ہے وہی سب سے زیادہ اُسی صفت کا مصداق ہے"۔ پس بعد از رسولؐ چونکہ اہلبیتؑ طاہرینؑ سب سے زیادہ صفتِ ایمان کے موصوف تھے۔ لہٰذا یہ لفظ سب سے زیادہ ان مقدسین ہی پر منطبق ہوتا ہے۔ "منکم" کے مخاطب بلا شک و بلا ریب مومنین ہیں۔ لیکن اولی الامر بوجہ کامل الایمان بلکہ مجسم ایمان ہونے کے بدرجہ اولیٰ ان میں داخل ہے۔ اس لئے یہ خصوصیت اہلبیتؑ عظام کو حاصل ہے۔ ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ ہم نے اس ضمن میں اپنے گذشتہ بیان مندرجہ شمارہ فروری ۱۹۶۱ء میں واضح کیا تھا کہ جس طرح قرآن میں "اولی الامر منکم" کی ترکیب ہے۔ اِسی طرح قرآن میں "رسولاً منکم" کی بھی ترکیب ہے۔ اگر سائل کا خیال درست تسلیم کر لیا جائے تو "رسولاً منکم" والی آیت میں بھی خصوصیت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کے متعلق نہ ہونی چاہئے۔ بلکہ مخاطبین ہی میں سے رسول ہونا چاہئے تھا۔ محمد رسول اللہ نہ ہونے چاہئیں تھے (معاذ اللہ)۔ اِس خیال سے ہزار بار توبہ۔

باقی رہا سائل کا خیال "فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والرسول"

ضروری نوٹ:۔ چونکہ یہ آیت سامنے آگئی لہٰذا گزارش ہے کہ یہ ایک ایسی آیت ہے جس سے فتنۂ دورِ حاضرہ یعنی انکارِ حدیث تو کم از کم کلیتاً ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آجکل (باقی صفحہ ۵۵ پر)

کے متعلق تو یہ ایک ایسا بیان ہے کہ جس سے یہ مسئلہ اور واضح ہو جاتا ہے کہ جملہ تنازعات و اختلافات کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام نازل فرمایا اور بیشک ہمیں اسی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ مگر جب ہر ایک قرآن کا مطلب اپنی اپنی مقدار عقل کے مطابق اپنی مرضی اور پسندیدگی کے ماتحت لے گا۔ (جو کہ کفر سے کم نہیں۔ اگرچہ قرآن میں ہمیں تدبر کرنے کا حکم ہے۔ مگر اس کا مطلب و مفہوم اپنی مرضی سے بیان کرنے کا حکم نہیں بلکہ بندش ہے) تو ہم صحیح مطلب حاصل نہ کر سکیں گے۔ اس کے لئے ذات احدیت نے نبی آخر الزمان کی تشریح کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ یعنی حکم خدا کا وہی مطلب درست ہوگا جو مفہوم رسولؐ بتائے گا۔ رسولؐ کے بتائے ہونے کے بغیر کوئی حکم درست نہیں ہوگا۔ اس لئے خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ دونوں چیزیں حیات ظاہری رسولؐ تک تھیں۔ لہٰذا قرآن میں ان کا ذکر کر دیا گیا۔ بعد وفات رسولؐ مخالفین نے رسولؐ پر بھی اتہام لگانے شروع کئے۔ اب اس کا کیا مداوا؟ رسولؐ کا کون سا بیان درست تسلیم کیا جائے اور کون سا غلط؟ سوائے اس کے کہ کوئی ایسا وجود موجود ہو جو ہمیں بتا سکے کہ قول و فعل رسولؐ یہ ہے۔ اور اس بارے میں رسولؐ کا یہ حکم درست ہے۔ پس یہ کام اولی الامر کا ہے۔ جس کی اطاعت کا حکم خود ذات احدیت نے دے کر اس کی عصمت کی تائید و تصدیق فرما دی۔ چنانچہ اسی سورۃ کے گیارھویں رکوع میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہٗ منھم (پ ۵ سورہ نساء ع ۱۱)۔

ترجمہ:۔ اور اگر وہ اس کو رسولؐ اولی الامر تک پہنچاتے تو جو لوگ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱)

انکار حدیث کے سلسلہ میں منکرین بھی کہتے ہیں کہ "ہمارے جملہ معاملات میں اختلافات کے دور کرنے کے لئے صرف قرآن کافی ہے۔ لہٰذا صرف قرآن ہی کو بنیاد قرار دیا جائے۔" اس آیت میں بھی یہی تذکرہ ہے کہ کسی بھی معاملے کے متعلق ہمارے "تنازعات یعنی اختلافات کیونکر دور ہوں؟ اگر صرف قرآن ہی کافی ہوتا تو "فردوہ الی اللہ" فرمانا ہی کافی ہوتا۔ مگر یہاں اس کے ساتھ ہی "والرسول" بھی ارشاد الٰہی ہے۔ ثابت ہوا کہ بیان قرآن بغیر تشریح رسولؐ یعنی حدیث کے کسی صورت میں بھی بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(غیاث الدین)

اس کی تحقیق کرنے والے ہیں اس کو سمجھ لیتے ——— پس خاص طور پر اولی الامر کی طرف رجوع کرنا بھی اس آیہ مجیدہ سے ثابت ہے۔

ہر دو آیات کا مطلب یہ ہے کہ اگر اولی الامر کے بارے میں تنازعہ ہو۔ تو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کرو۔ یعنی اولی الامر کے بارے میں جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام ہیں اُن کا اتباع کرو[۱]۔ اور جب اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسولؐ کے کسی امر کے متعلق کوئی تنازعہ ہو جائے تو پھر اولی الامر کی طرف رجوع کریں۔ رسولؐ کی عدم موجودگی میں حقیقت معلوم کرنے کے لئے اولی الامر کی طرف رجوع کرو۔ وکان المقصود۔ یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ جس کی اطاعت کلی کا حکم خداوند تعالےٰ دیتا ہے۔ اُس کے قول و فعل کی حقانیت یعنی اُس کی عصمت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا اسلامی اصولوں کے ماتحت ہر زمانے کے اولی الامر کا معصوم ہونا شرط ہے۔ اور اگر وہ معصوم نہ ہوا۔ تو کسی وقت اگر اس کے کسی غلط قول یا فعل کی اطاعت ہو گئی تو اطاعت کرنے والوں کا گمراہ ہونا یقینی ہے۔

سوال:۔ منجانب سید اُمید علی صاحب کاظمی۔ چنیوٹ (ضلع جھنگ):۔

۱۔ مسئلہ تقلید پر مفصل بحث کریں۔ اس کی اہمیت اور فی زمانہ ضرورت کو واضح کریں۔

۲۔ کیا ہر آدمی کو اختیار ہے کہ وہ خود ہر مسئلہ کے متعلق ذاتی رائے قائم کرے۔ اگر نہیں تو کس کی طرف رجوع کرے؟

۳۔ جو لوگ (شیعہ مسلمانوں میں سے) کہتے ہیں کہ مجتہد غلطی کرتے ہیں اور مسئلہ تقلید سے انکاری ہیں۔ وہ کس زمرہ میں داخل ہیں؟

۴۔ "علیاً ولی اللہ" جزو اذان کیوں نہیں جبکہ کلمہ طیبہ میں پڑھا جاتا ہے؟

جواب:۔

۱۔ مکمل بحث کتب فقہ میں موجود ہے۔ وہاں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم مختصراً اس کے متعلق گزارش کرتے ہیں۔ مسئلہ تقلید کے متعلق اکثر لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اور اسے پیری مریدی سے مشابہ تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ پیری مریدی نہیں بلکہ ایک بالکل فطری شے ہے جو زندگی

---

[۱] یعنی اولی الامر کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوا نہ کہ منجانب الناس۔ یعنی اسلامی دینی حکومت کا سربراہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔ لوگوں کی رائے۔ مشورہ یا انتخاب سے نہیں بنایا جاتا۔ (غیاث الدین)

۳۔ ایسے اشخاص غیر مقلد ہیں اور اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ مگر قابلِ غور امر یہ ہے کہ وہ بھی قرآن کے علاوہ علماء کی لکھی ہوئی کتب سے استفادہ کرتے ہیں لہٰذا وہ بھی اُن کے مقلد ہوئے۔ اور غیر مقلدین بھی اپنے علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں لہٰذا وہ اُن کے مقلد ہوئے۔ تقلید بہر حال کسی نہ کسی صورت میں ہو رہی ہے۔

۴۔ "علیاً ولی اللہ" کیوں جزوِ اذان نہیں جبکہ یہ اذانوں میں متواتر پڑھا جاتا ہے۔ ہم تو ہمیشہ اسے اذانوں میں پڑھتے سنتے آئے ہیں۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی رو سے تو یہ جزوِ اذان تو کیا جزوِ ایمان ہے۔ تعجب ہے کہ جب "امامت" اصولِ دین میں سے ہے تو یہ کیوں نہ جزوِ اسلام اور جزوِ ایمان ہو۔ اور جب جزوِ اسلام و ایمان ہے تو جزوِ اذان کیوں نہ ہو۔ اور پھر جبکہ یہ خطبہ کا جزو ہے تو جزوِ اذان کیوں نہیں!

بقیہ :- گفتنی ہا - رپورٹ سیکرٹری صاحب مشرقی پاکستان

کتابچے پہلی تینوں کتابوں سے زیادہ مقبول ہوئی اور ہر شخص کتابوں کے حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا۔ یہاں تک کہ کمترین کے گھر پر پہنچ کر عوام نے کتابوں کو حاصل کیا ہے۔ عوام کا اقرار ہے کہ اس کتابچے سے جو غلط فہمیاں قبل سے چلی آرہی تھیں وہ دور ہو گئیں ہیں۔ عوام نے کثرت سے مجالس سید الشہداء میں بھی شرکت کی۔ کمترین کا خیال ہے کہ اگر اسی قسم کے لٹریچر برابر نکلتے رہیں گے تو مسلمانوں کے دونوں گروہ میں بہت جلد اتفاق اور اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ اور اُن کا تعصب اور نفرت بہت جلد دور ہو جائے گی۔ دس کاپیاں بذریعہ بک پوسٹ آپ کی خدمت میں حسب دستور روانہ کر رہا ہوں۔ علاقہ میرانی۔ کھلنا۔ جیسور۔ سلہٹ۔ باریسال۔ چٹاگانگ۔ میمن سنگھ۔ پربت نگر۔ وغیرہ اضلاع میں بھی بک پوسٹ تمام میں روانہ کی گئی ہیں۔ ایک ہزار دو سو پچاس کاپیاں چھاپی گئی تھیں۔ محرم ڈھاکہ بحزت گزرا اور عشرہ مبارک بروز اتوار ہوا۔ ممبر سازی کی طرف بھی توجہ دی گئی ہے۔ اور کثرت سے مومنین ادارۂ معارف اسلام کے ممبر بننے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ امامیہ مشن لاہور کی طرف سے بھی فضائلِ اہلبیتؑ کی حدیثیں بنگلہ زبان میں تقسیم ہوئی۔ اطلاعاً تحریر ہے۔

نیاز مند

سید محمد سبطین۔ تیجگاؤں (مشرقی پاکستان)

کے ہر شعبہ میں کار فرما ہے۔ اور اگر غور سے دیکھیں تو کوئی چیز اس سے مستثنےٰ نہیں چونکہ جملہ احتیاج حیات و ضروریات زندگی فردِ واحد ہی سے پوری نہیں ہوتیں۔ اور ایک ہی شخصیت ہر علم و عمل میں ماہر نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ مثلاً اگر کوئی انجینئر یا کوئی اور بیمار پڑ جائے تو اس کے لئے ڈاکٹر کی احتیاج ہے اور اگر ڈاکٹر (یا کسی اور) نے مکان بنانا ہو۔ تو اسے اس کے ماہر انجینئر کی ضرورت ہے۔ کوئی مقدمہ در پیش ہو تو ماہرِ قانون کی ضرورت ہے۔ اور وکیل بننے کے کالجوں اور سکولوں کی۔ اور کالجوں اور سکولوں کے لئے کتابوں کی اور ان کے لئے مصنفین کی اور پھر اس کے چھاپنے کے لئے پریسوں کی اور پریس کے لئے مشینری کی اور مشینری بنانے کے لئے لوہے کی اور لوہا نکالنے کے لئے کان کنوں کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ دنیا اور اس میں بسنے والوں کی ضروریات صرف ایک ہی شخصیت سے پوری نہیں ہوتیں۔ بلکہ ہر شعبۂ زندگی کے لئے جُدا جُدا ماہرین کی ضرورت ہے۔ اسلامی اصولوں کے تحت علم دین ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ کیونکہ اس نے ہمارے ہر قول و فعل اور ارادہ کا نیک یا بد ہونا ظاہر کرنا ہے۔ کہ آیا ہم یہ جو کچھ کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں۔ منشاءِ خالق کے مطابق ہے یا خلاف ہے۔ پس اس کے لئے بھی اس کے ماہرین کی ضرورت ہے۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو ہر آدمی (مرد و عورت) خود اتنا ملکہ حاصل کرے کہ ہر امر کے متعلق منشاءِ خالق کے مطابق سمجھ سکے۔ تمام ہی کا ایسا کر لینا تو ناممکن ہے اور اگر کوئی چند ایک اس مقام پر پہنچ جائیں اُن کے کسی اور کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ایسی شخصیت کی طرف رجوع کرے جو اس صفت سے متصف ہو۔ اور اپنے فیصلہ کے جواز میں اللہ تعالےٰ اور معصومینؑ کا قول یا فعل پیش کر سکے۔ یہی تقلید ہے مگر اندھی تقلید نہیں۔ کیونکہ وہ پیغمبر یا امام تو ہے نہیں کہ بلا چون و چرا اُس کی تقلید کی جائے۔ وہ خود اپنے پاس سے نہیں کہے گا بلکہ قرآن۔ حدیث اور قولِ امامؑ سے استنباط کرے گا۔ ایسے ضروری افراد کے لئے معصومینؑ نے شرائط مقرر فرمائی ہیں جو کتب مستندہ میں موجود ہیں۔ پس جس کو ہم سمجھ لیں یعنی جانچ لیں کہ ان شرائط پر پورا اترتا ہے اُسی جامع الشرائط کی تقلید ہماری زندگی کا جزوِ اعظم ہے۔

۲۔ اسلام میں ذاتی رائے کا کوئی دخل نہیں۔ مندرجہ بالا اصول کے مطابق عمل کرنا قرآن حدیث اور قولِ امام یعنی مسلک بحکم کتاب اللہ و عترتِ اہلبیتؑ کے تحت ضروری ہے۔

اعلانات واطلاعات

معارفِ اسلام کا رسول ؐ نمبر

آئندہ ماہ کا شمارہ حسبِ معمول رسول ؐ نمبر ہوگا۔ بوجہ ولادت حضرت ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) حسبِ سابق ربیع الاول کا شمارہ مخصوص مضامین متعلق سرکارِ دوعالم سے مزین ہوگا۔ علماء کرام۔ ذی علم۔ اہل قلم حضرات اور شعرائے خوش کلام کی خدمت میں تاکیداً گزارش ہے کہ اپنے اپنے تحفے اپنی اپنی عقیدت کے پھول اور اپنی اپنی تحقیقات کے نچوڑ اس شمارہ میں اشاعت کے لئے راقم (مدیر اعزازی معارف اسلام) کوڈبی بازار لاہور کے پتہ پر جلد از جلد ارسال فرمادیں۔ جو کہ یکم اگست ۱۹۶۱ء تک پہنچ جانے چاہئیں۔ تاکہ دربار رسالت مآبؐ میں آپ کا نام بھی فہرستِ محباں میں شامل ہوسکے۔ یہ گزارش شیعہ وسنی۔ اسلام کے ہر دو زاویہ فکر کے پیروکاروں کی خدمت میں ہے۔

سالانہ جلسہ عام

اراکین ادارۂ معارف اسلام کا سالانہ جلسۂ عام مورخہ ۱۰؍ ستمبر ۱۹۶۱ء اتوار کے دن ہونا قرار پایا ہے۔ اس تاریخ کا تعین ادارہ کی مجلس نظامت کی حالیہ نشست منعقدہ ۱۶؍ جولائی ۱۹۶۱ء میں کیا گیا۔ لہٰذا جملہ لوکل سیکرٹریاں ادارہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ آج سے ایک ماہ کے اندر اندر اپنے حلقہ کی کارروائیوں کی رپورٹیں جنرل سیکرٹری صاحب ادارہ کے نام ارسال فرمادیں۔ تاکہ وہ انہیں اپنی رپورٹ میں شامل کرلیں۔ نیز ممبران ادارہ اپنی اپنی مفید تجاویز سے بھی جلد از جلد آگاہ کریں۔ سالانہ جلسہ کا وقت صبح ۹ بجے اور مقام بر مکان حضرت علامہ الحاج مرزا احمد علی بالمقابل اندرون اکبری گیٹ لاہور ہے۔ اراکین ادارہ نوٹ فرمادیں۔ اور جلسہ کو کامیاب بنانے میں پوری پوری کوشش فرمادیں۔

لوکل سیکرٹریاں:۔ اپنے اپنے حلقہ کے ممبران سے وصول شدہ بقیہ جات جلد از جلد سیکرٹری ادارہ کو ڈبی بازار کے پتہ پر یا فنانشل سیکرٹری کو ۶ انارکلی بازار کے پتہ پر بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔

تک ہی نہیں رہنا تھا بلکہ دنیا کی بقیہ مکمل مدت تک جاری رہنا تھا۔ لہٰذا دین کامل کی حفاظت بھی خالق کائنات جو کہ حیّ و لایموت ہے کے ذمہ ہے۔ وفات رسولؐ کے بعد بوجہ ضرورت نبوت کے نہ رہنے کے سلسلۂ نبوت تو بند ہو گیا۔ مگر حفاظت دین کے لئے آئمہ طاہرین کا سلسلہ شروع ہوا۔ اب باطل قوتوں نے پھر سر اٹھایا۔ جس طرح انبیاءؑ کو قتل کرتے رہے۔ آئمہ طاہرین کو بھی قتل کرنا شروع کیا۔ یہ ناقابل انکار تاریخی حقائق ہیں۔ ایک طرف شیطانی قوتیں دوسری طرف رحمانی قوتیں برسرپیکار رہیں ؎

موسیٰؑ و فرعونؑ و شبیرؑ و یزیدؑ ایں دو قوت از حیات آید پدید (اقبالؒ)

یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ وارثان رسالت یعنی آئمہ اہلبیتؑ نے اپنے حقوق۔ اپنا مال و اولاد یہاں تک کہ اپنے پیروکاران اور خود اپنی ذوات مقدسہ تک کو دین اسلام کی حفاظت کے لئے مصائب و شدائد باطل کے بالمقابل پیش کر دیا۔ انہوں نے زہر کے پیالے پیئے اور تلوار و نیزہ و خنجر کے گھاؤ کھانا گوارہ فرمایا مگر دین اسلام پر آنچ نہ آنے دی۔ بہت کوششیں کی گئیں کہ دین اسلام کے اصولوں کو مسخ کر کے ان ذوات معصومینؑ سے اُن کی تائید حاصل کر لی جائے مگر باطل ان پر فتح حاصل نہ کر سکا۔ پہلے امامؑ کو تلوار سے شہید کیا گیا۔ دوسرے امامؑ کو زہر دیکر تیسرے کو میدان کربلا میں تیروں اور نیزوں سے چھلنی کر کے پتھر مار مار کر اور تلواروں اور خنجروں سے شہید کیا گیا۔ اس کے بعد باطل نے بھیس بدل کر در پردہ (Under covered) کام کرنا شروع کیا۔ خود اسلام کا دعوے کر کے اسلام ہی کی جڑیں کاٹنی شروع کیں۔ آئمہ علیہم السلام دین خدا کو صحیح صورت میں پیش فرماتے رہے جو مخالف قوتوں کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ کیونکہ یہ اُن کی راہ میں اور اُن کے مقاصد کے بر آنے میں عظیم ترین رکاوٹ تھے۔ لہٰذا یہ امر ربانی کے تحت دین کو پھیلاتے رہے اور دین کی حفاظت کرتے رہے اور مخالف قوتیں ان کو شہادتیں دیتی چلی گئیں۔ چوتھے سے لیکر گیارھویں امام تک کو زہر دغا سے ختم کیا گیا۔ مگر امر ربانی کے تحت بموجب قرآن و ارشادات پیغمبرؐ آخر الزمانؐ یہ نہ صرف بارہ اماموں تک محدود تھا۔

۱؎ [illegible] قرآن میں ... وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا (پ ۶) آنحضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق توریت میں یہ عبارت ملتی ہے اور اسمٰعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اسے برومند کرونگا ..... اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے ..... (پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰)

یہ ایک وجہ جن (یعنی بارہؑ) کی تعداد قانونِ فطرت میں اس درجہ تک مرغوب ہے کہ اس کے جملہ امور بارہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتے۔ دن کے بارہ گھنٹے اور رات کی بارہ ساعتیں سال کے بارہ مہینے۔ افلاک کی بارہ منازل . . . . وغیرہ وغیرہ۔ حدیہ ہے کہ (ا ح + د) کے عدد بارہ۔ نقبائے بنی اسرائیل بارہؑ۔ آئمہ بنی اسمٰعیلؑ یعنی آلِ محمدؐ بارہ۔ اور اگر بارھواں امام بھی باطل کے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو لازماً شیطان کی جیت ہوتی جس طرح خالقِ مخلوقات نے بنی اسرائیل میں سے اُن کے آخری اولی العزم نبی حضرت عیسیٰؑ کو شیطانی قوتوں کو باطل کرنے کے لئے زندہ و سلامت رکھا۔ اسی طرح بنی اسمٰعیلؑ کے آخری امامؑ کو بھی باطل کو مات دینے کے لئے قائمؑ بحیات و سلامت رکھا اور یوم الوقت المعلوم (قرآن) کو ان دونوں برگزیدگانِ خداؑ کے ایک ہی زمانے میں ظہور اور دُنیا کو عدل و داد سے پُر کر دینے کے لئے عیسیٰ بن مریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو نبیِ آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آخری جانشین یعنی حضرت بقیۃ اللہ امام زمان (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا معاون و مددگار قرار دیا۔ اور یوم است (قرآن) والے میثاق انبیاء یعنی نُصرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حضرت عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کے ذریعے بحیثیت نمائندہ انبیاء ماسلف پورا کریگا ——— اِس امر ربانی اور وعدہ خداؑ کا دنیا کے موجودہ سیاسی و معاشرتی تصفیوں کے ساتھ کیا تعلق ہے درآنحالیکہ اِن مسائل کے متعلق احکام خداؑ یا شرعِ اسلامیہ یعنی تعلیمات محمدؐ و آلِ محمدؐ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) موجود ہے۔ قرآن موجود ہے اور معصومینؑ کی بتائی ہوئی اس کی تفسیر و تشریح بھی موجود ہے۔ یعنی "کتاب اللہ و عترت اہلبیت محمد رسول اللہ" ہر دو کی موجودگی میں اور ان کی پیروی اختیار کرنے میں غلط راہ پر چلنے یا بھٹکنے کا سوال ہی درپیش نہیں ہوتا۔ پڑھئے حدیث ثقلین سابقہ صفحات میں جس کی بعض تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ پس معترضین کا یہ اعتراض کہ ہمارے موجودہ مسائل اندرونی و بیرونی، سیاسی و معاشرتی وغیرہ کے حل کیلئے امامؑ وقت کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟ یہ امر حکمتِ غیبت یا امرِ ربانی سے سراسر غیر متعلق ہے۔ کم از کم پہلے "امامت" کو پہچان کر اعتراض ہونا چاہئے۔

ایک اور امر کو پیش نظر رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ تاکہ امامت کے متعلق عقیدہ کی صحت قائم رہے۔ وہ یہ کہ عیسائیوں کا پوپ یا بعض دیگر مذاہب کے دینی پیشوا

(Religious Heads) جو موجود ہیں تو وہ محدود (Limited) طور پر محض
اُن ہی مذاہب کے سربراہ ہیں مثلاً مذہب احمدیہ کے پیشوا یا امیر محض اُسی جماعت کے پیشوا ہیں
یا بہائی مذہب کا سربراہ یہ بھی محض اُسی محدود جماعت کا پیشوا ہے۔ اسلام میں فرقہ
اسماعیلیہ جماعت بوہرہ یا آغا خانی کے امام بھی مخصوص طور پر انہیں جماعتوں کے امام
کہلاتے ہیں۔ اگر اپنی اپنی جگہ پر یہ سب جماعتیں یہ دعوے بھی کر دیں کہ ہم اپنے پیشوا کو
سب دُنیا کا پیشوا سمجھتے ہیں تو یہ اُن کا اپنا کہنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی
ایسے ذرائع یا ان کے ہاتھوں میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جس سے وہ تمام دنیا کو خدا
کی ایک ہی بادشاہت کے ماتحت لاسکیں۔ لہٰذا ان پیشوایان کا اثر یا حکم تمام دنیا پر نہیں
بلکہ محض اپنی محدود جماعت پر۔ اور پوری جماعت پر بھی نہیں کیونکہ اُن کے اکثر افراد اپنے
عمل سے ان کا حکم تسلیم نہیں کرتے بلکہ محض عقیدتاً۔ ہر جماعت میں اُس کے مخلص اطاعت گذاروں
کی تعداد نہایت ہی قلیل ہے۔ لہٰذا فی الحقیقت ان پیشواؤں کے احکام کا اجراء و اطاعت
خود ان کی مکمل جماعتوں سے بھی نہیں۔ اب مثلاً عیسائیوں کے پوپ ہی کو لیجئے۔ وہ محض اپنے
گروہ یعنی عیسائیوں کا بلکہ عیسائیوں کے بھی ایک مخصوص حصہ یعنی "رومن کیتھولک" کا
پیشوا ہے۔ اس کے ماننے والوں کے اعمال بھی ۹۰ یا ۹۵ فیصدی بلکہ اس سے بھی زیادہ
اس کے احکام کے خلاف ہیں۔ بلکہ ماننے والے صرف عقیدتاً ماننے والے ہیں۔ بعینہٖ یہی حال
دیگر ان جماعتوں کا ہے جن کا کوئی نہ کوئی سربراہ موجود ہے یا جس کسی نے بھی کسی ایک کو اپنا
پیشوا بنایا ہوا ہے ——— جناب امام زمانہ کی شان ان سب سے قطعاً الگ ہے۔ وہ زمانہ
کے امام ہیں۔ صرف مسلمانوں کے یا مسلمانوں میں سے صرف شیعہ مسلمانوں کے نہیں۔ وہ نہ صرف
تمام انسانوں کے بلکہ جملہ مخلوقات کے امام ہیں۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ اُن کا اثر محض عقیدت
تک ہوگا بلکہ اُن کا حکم تمام عالمین پر نافذ ہوگا۔ اور نہ صرف ہر فرد و بشر بلکہ جملہ مخلوقات ارضی
وسماوی عملاً اُن کے حکم کے تحت ہوگی۔ کیونکہ بروئے قرآن و اخبار پیغمبرؐ امام آخر الزمانؑ کا سب
سے بڑا اور اہم کام شیطانیت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کرنا اور ربانیت کا قائم کرنا ہے۔
دکھ درد اور لوگوں کے فیصلے کرنا اور سیاسیات حاضرہ کی گتھیاں سلجھانا۔ جب اجتماعی طور پر
ظلم و جور کا خاتمہ ہو جائے اور تمام عالم میں عدل و قسط کارفرما ہو تو جب سب ہی اسی دائرے
میں شامل ہوں گے تو خود بخود تکلیفات کا خاتمہ ہو جائیگا۔

اس میں شک نہیں کہ حالاتِ زمانہ اور ضروریاتِ ذاتی کے پیشِ نظر ایک خواہشمندِ امن و اطمینان کے دل میں اس آرزو کا پیدا ہونا ناممکن نہیں کہ ہمارا بھی امام ظاہر ہو اور ہم اُس سے ہدایات حاصل کریں۔ مگر یہ ہماری اپنی دماغی اختراع ہے۔ حضرت حجت اللہ فی العالمین یعنی امامِ زمانہ حاضرہ کی کیفیت ایسی نہیں جیسی وہ محسوس کر رہے ہیں۔ امام کے ظہور کے بعد تمام عالم نے اُن کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا کے ظلم و جور اور فسق و فجور کے لئے خالق کا نشتر ہوگا۔ اور اس نشتر سے یہ ایک عظیم اپریشن ہوگا۔ جس کے بعد ظلم و جور اور فسق و فجور کا گندہ مادہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بہ جائیگا۔ اِن زخموں پر امام احکامِ ربانی کا مرہم لگا کر تمام عالم میں خدا کی واحد بادشاہت قائم کریگا۔

معترضین اگر "امامت" اور "وجودِ حجت" کے مرتبہ کو سمجھ جائیں تو تمام شبہات نہایت آسانی سے دور ہو سکتے ہیں۔ "امامت" چونکہ ایک اہم خدائی عہدہ ہے اس لئے اس میں یہ ضروری نہیں کہ امام کا عوام الناس کے سامنے ہر وقت ظاہر رہنا بھی لازمی ہے۔ نہ ہی امام کی ڈیوٹی لوگوں کے جھگڑے چکانا۔ دنیا کے مذہبی و سیاسی امور کو انجام دینا یا مسائلِ اسلامیہ کیلئے فتاوے جاری کرنا ہے۔ ان کاموں کیلئے تو علماء ملت موجود ہیں۔ تعلیمات کتاب اللہ و عترت کسی لمحے بھی ایک دوسرے سے جُدا نہیں۔ اِن تعلیمات و احکام کے اتباع کیلئے ایک سیکنڈ کیلئے ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہ جملہ امور تو علماء حق ہر عہد میں تحریراً و تقریراً انجام دیتے رہے ہیں۔ اور دے رہے ہیں۔ اگرچہ خود امامِ وقت بھی براہِ راست یہ امور انجام دے تو اُس کا اختیار ہے سب کچھ ہی اُس کے احاطۂ اختیار میں ہے۔ وہ سب سے بہتر طور سے یہ انجام دے سکتا ہے۔ مگر حقیقی مقصدِ وجودِ حجت کا یہ نہیں۔ امام نے ظہور کے بعد کوئی نیا دین یا نئے اسلامی اصول رائج نہیں کرنے۔ اسلامی اصول تو پیشتر ہی موجود ہیں۔ ان میں ردّ و بدل نہیں۔ امام کی ڈیوٹی تو تمام عالمین پر نیابتِ الٰہیہ سر انجام دینا ہے جس طرح احکم الحاکمین باوجود نظروں سے پنہاں ہونے کے تمام امورِ عالمین اپنے حکم سے سر انجام دیتا ہے۔ خلیفۃ اللہ ہونے کی وجہ سے امام کے ذریعے وہ جملہ امور سر انجام دیئے جاتے ہیں۔ اور یہی قرینِ عقل اور یہی انصاف امامِ حجت کیلئے ضروری ہے۔ البتہ بموجبِ قرآن "یوم الوقت المعلوم" کے موقع پر جب امام ظاہر ہوگا۔ تو عالمین خدا کے نور سے جگمگا اٹھیں گے۔ شیطانیت کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قلع قمع ہو جائیگا اور خدا کی بادشاہت ظاہر بظاہر

بھی قائم ہو جائیگی۔ کم از کم کسی خدا پرست اور خاص طور پر اہل اسلام کے لئے خدا تعالیٰ کا وعدہ کبھی (نعوذ باللہ) جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

دراصل امام کی غیبت میں وہی حکمت مضمر ہے جو خدائے وحدہٗ لاشریک کی غیبت میں ہے۔ اگرچہ ان کی نوعیت ایک جیسی نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ خالق ہے اور امام مخلوق۔ مگر بوجہ نمائندہ و حجت پروردگار عالمین ہونے کے امام مظہر صفات خدا ہے ——————

نہ صرف امامت ہی مدار دین نہیں بلکہ دین کا مدار اول "توحید" دوم "عدل" سوم "نبوت" چہارم "امامت" اور پنجم "قیامت" پر ہے۔ امامت چوتھے نمبر پر آتی ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ دین کے ان پانچ اصول میں سے تمام کے تمام ہی غیبت میں ہیں۔ سب سے اول خدائے واحد لاشریک باوجود حاضر و ناظر ہوتے کے غائب جس طرح معترضین نے امامت پر اعتراض و شبہات قائم کئے ہیں اسی طرح ذات خدائے ذوالجلال پر بھی اعتراضات وارد کئے ہیں کہ "کاش خدا ظاہر ہو جائے تاکہ غیر خدا کی پرستش بند ہو جائے"۔ اس بیان کی عکاسی ان کے مندرجہ ذیل شعر سے ہوتی ہے ؎

برافگن پردہ تا معلوم گردد کہ یاراں دیگرے را می پرستند

مگر حضرت مولائے کائنات امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشہور ارشاد گرامی ہے "لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً"۔ بہرحال واجب الوجود ہونے کے باوجود احکم الحاکمین کی غیبت بالکل عیاں ہیں۔ اسی طرح دین کا دوسرا اصول "عدل" خداوندی جو کہ جامع صفات الٰہیہ ہے یہ بھی اپنے آثار میں مضمر ہے۔ اس کی غیبت بھی عیاں۔ "نبوت" یعنی تیسرا اصول دین بھی غیبت میں ہے۔ بروئے قرآن مجید نبوت محمدؐیہ محض حضورؐ کی ظاہری زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ آپ کا دور نبوت فی الحقیقت قبل از ابتدائے آدمؑ تا بعد از اختتام قیامت ہے۔ مگر اس دور عظیم میں صرف ترسیٹھ ۶۳ برس حضورؐ نبی اعظم ظاہر رہے۔ اور بقایا عظیم دور میں پردۂ غیبت ہی میں رہے اور اگر صاحبان مجاز (یعنی جو صرف مجاز ہی کو مانتے ہیں حقیقت کو نہیں جو صرف ظاہر کو تسلیم کرتے ہیں باطن کو نہیں) ہی کا قول تسلیم کر کے حضورؐ کا عہد اپنی ظاہری حیات طیبہ سے لیکر قیامت تک ہی سمجھ لیا جائے تو بھی بہت زیادہ حصہ غیبت میں ہے یہاں تک کہ خود حضرتؐ کی ترسیٹھ برس کی حیات ظاہری میں بھی کافی عرصہ ایام غیبت سے منسوب ہے۔ سابقہ کتب سماوی کے تحت حضرتؐ

کا انتظار ہوتا رہا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ و حواریینؑ کی پیشینگوئیوں و اخبار کے تحت صالحین زمانہ مسلسل حضرت کے ظہور کا انتظار کرتے رہے۔ حد یہ ہے کہ حضورؐ پیدا بھی ہو چکے تھے۔ مگر چالیس سال تک نبوت پردۂ غیبت ہی میں مستور رہی۔ لقبایا تیئس برس میں شعب حضرت ابوطالبؑ کے ایام اور ہجرت کے چند یوم بھی غیبت ہی سے منسوب ہیں — ضمنی اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ان ایام میں حضورؐ بہر حال اپنے اہلبیتؑ و دیگر مخصوصین کے سامنے تو ظاہر تھے۔ لہٰذا غیبت کیونکر ہوئی؟ حضرت امامؑ زمانہ کے متعلق بھی تو بعینہٖ یہی صورت ہے کہ حضورؑ اپنے اہل و اصحابؑ کے سامنے ظاہر ہیں مگر عامۃ الناس کے لئے غائب ہیں۔ وغیرہ ہم شب و روز نبوتِ محمدیہ کی شہادت دیتے رہتے ہیں۔ اور اس کے بغیر ہمارا ایمان نہیں مگر باوجود نبوت کی شہادت موجودہ دور میں دینے کے نبوت ظاہر نہیں۔ دین کا پانچواں مدار قیامت بھی غیبت ہی میں ہے جس پر ایمان لانا دیگر اصولوں کی طرح لازمی ہے۔ اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ جب دین کے بقایا چار اصول یعنی توحید۔ عدل۔ نبوت اور قیامت پردہ غیبت میں ہیں تو اصولِ امامت کیوں پردۂ غیبت میں نہ ہو۔ اگر یہ پردۂ غیبت میں نہ رہے تو البتہ یہ اصول دین میں نہ رہے گی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہمیشہ ہی پردۂ غیبت میں رہے۔ بلکہ جس طرح نبیؐ آخرالزمان یعنی آخری نبیؐ کا انتظار ہوتا رہا اور بالآخر حضورؐ ظاہر ہوئے اسی طرح امام آخرالزمان یعنی آخری امامؑ کا انتظار ہو رہا ہے اور بالآخر حضورؑ کا ظہور ہوگا۔ انشاءاللہ تعالےٰ

مندرجہ بالا عبارت پر امامت کو نہ پہچانتے اور سمجھتے ہوئے **ایک اور ضمنی اعتراض** کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ کوئی زمانہ جب امام سے خالی نہیں تو بقایا آئمہؑ یعنی پہلے گیارہ آئمہ معصومین کیوں ظاہر رہے ان کو بھی غائب ہی رہنا چاہئے تھا؟ جواب اس کا بالکل واضح ہے کہ اگر بہ نظرِ غور حالات کا مطالعہ کیا جائے تو ان مقدسین کی غیبت سے بھی انکار نہ ہو سکے گا۔ امام اپنے زمانہ میں تمام عالم کا امام ہوتا ہے۔ مگر آپ خود ہی اندازہ لگائیے۔ کہ گیارہ میں سے ہر امام اپنے زمانہ کی کس قدر مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رہا؟ اور کس قدر مخصوصین کے علم و نظر میں آیا؟ خود امام تو درکنار امامؑ کے چند ماننے والے مخصوصین بھی تقیہ کے پردۂ غیبت میں رہے۔ یہ لوگ عامۃ الناس میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے تھے مگر کوئی نہ جانتا تھا کہ یہ امامؑ کے ماننے والے ہیں۔ اگر یہ پردہ اٹھ جاتا تو ان کا حشر بھی

وہی ہوتا جو انبیاءِ گذشتہ کا یا ان کے ماننے والوں کا ہوا یعنی یا قتل کر دیئے جاتے یا قید و بند کی مصیبتیں جھیلتے ۔ انبیاءؑ و آئمہؑ نے اپنے اپنے زمانے کا جتنا جتنا عرصہ بھی ظاہر ہو کر گذارا ۔ قرآن ، اخبارِ معصومینؑ اور تاریخ شاہد ہے کہ وہ تمام عرصہ مخالفین دین اللہ کے ہاتھوں انتہائی مصائب و آلام میں بسر فرمایا ۔ لہذا وجودِ غیبتِ امام آخرالزمان نے یہ ثابت کر دیا کہ ظالم انسان جو فریبِ شیطانی میں آ چکا تھا اور مسلسل نبیوں اور اماموں کو کسی نہ کسی نوعیت سے قتل کر رہا تھا وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا ۔ اور حق کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا ۔ لہذا غیبتِ امامؑ آخرالزمان لازمی ٹھہری ۔

غیبتِ امامؑ سے کارِ امامت میں کچھ فرق نہیں پڑتا بایں وجہ کہ امام نمائندہ خدا ہے اس کی مخلوق پر ۔ وہ صفاتِ خالق کو اُس کی مخلوق پر ظاہر کرتا ہے ۔ لوہے کو آگ میں ڈال دیں وہ خود آگ تو نہ بنے گا مگر اپنے آپ کو مکمل طور پر آگ کے سپرد یا اس کی اطاعت میں دے دینے سے وہ بطریقِ احسن آگ کی صفات کا اظہار کر سکے گا ۔ بعینہٖ یہی حال امامؑ وقت کا ہے ۔ کہ چونکہ وہ تمام عالمین میں سب سے زیادہ مطیع پروردگارِ عالم ہوتا ہے لہذا مظہرِ صفاتِ پروردگارِ عالم ہوتا ہے ۔ جب ذاتِ باری تعالیٰ باوجود بصارتِ مخلوق سے قطعاً غائب و پوشیدہ رہنے کے تمام کارہائے خدائی انجام دے رہی ہے تو اُس کا نمائندہ اگر اُسی کی مطابعت میں یہی کرے تو قطعاً محلِ تعجب نہیں ۔ بلکہ اگر وہ غائب نہ ہوتا یا اُس میں غائب ہونے کی قابلیت و اہلیت نہ ہوتی تو قابلِ اعتراض اور محلِ تعجب ہو سکتا تھا ۔ اس ضمن میں یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہنے کے قابل ہے کہ زیرِ بحث **اعتراض کا خلاصہ** یہی ہے کہ اس دور میں امامِ وقت ظاہر بظاہر ہدایتِ خلق کیوں نہیں کر رہا ؟ اس کا جواب مندرجہ بالا تشریحات سے خلاصۃً یہی دیا جا سکتا ہے کہ ہدایتِ خلق بکمل طور پر موجود ہے جس طرح خالق کیلئے ہدایتِ خالق واجب ہے اور خالق نے دین کو مکمل طور پر مخلوق پر پہنچایا تو اب خالق پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ اس نے ہدایتِ خلق کے سلسلہ میں نعوذ باللہ کوتاہی کی ۔ بلکہ خالق اتمامِ حجت فرما چکا ہے ۔ اسی طرح اس کے نمائندہ پر بھی کوئی الزام نہیں اس لئے کہ ہدایت "دینِ اسلام" کی صورت میں موجود ہے اور اس میں تعلیماتِ معصومینؑ ہدایت کی واضح صورت میں موجود ہیں ۔ مگر جس طرح ذاتِ خالق لوگوں تک مکمل ہدایت پہنچا کر خود کارہائے عالمین میں مستعفی یا بالتشبیہ جامد ہو کر نہیں بیٹھ گئی بلکہ تمام کارہائے مخلوقات

مثلاً موت وحیات - رزق و دولت - پیداوار - صلح و جنگ - ثواب و عتاب - رحم و کرم قہر و عذاب اور جملہ مظاہرِ قدرت اُس کے امر سے انجام دیئے جا رہے ہیں - اور یہ جملہ امورِ خالق صاحب الامر یعنی امام وقت کے ذریعے سرانجام دیئے جاتے ہیں - امامت جامد یا بیکار نہیں بلکہ مکمل طور پر خالق کی نمائندگی کر رہی ہے - اور جس طرح کہ پیشتر اس کتاب کے گذشتہ مضامین میں ظاہر کیا گیا کہ ہر سال کے احکام اور مندرجہ بالا امور کی مقدار شبِ قدر میں فیصل کی جاتی ہے جس کی اطلاع ہر سال کے آغاز پر ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے امام وقت کو دی جاتی ہے جس پر قرآن کی مکمل سورۃ "قدر" شاہد ہے کہ سوائے اس کے اس کا اور کچھ مطلب و مفہوم ہی نہیں نکل سکتا - البتہ بموجب وعدہ خداؑ (در قرآن) جب شیطان کا تسلط ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیگا اور خدا کی واحد بادشاہت یعنی اس کے احکام اجراء و اطاعت بظاہر تمام عالمین میں قائم ہو جائیگی تو اس کا نمائندہ یعنی امام وقت بھی حکم خداؑ کے مطابق ظاہر ہو کر خدا کی بادشاہت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لیگا - اور تمام عالمین خداؑ کے نور سے جگمگا اُٹھیں گے -

---

ظہور امامؑ سے پیشتر کی راہِ عمل

امامت کو تسلیم کرنے کے بعد اور امام وقت کے ظہور کا انتظار کرنے سے پیشتر ایسا نہیں ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا رہیں بلکہ اس سلسلہ میں ایک ایسا automatic لائحہ عمل دین اللہ میں موجود ہے کہ جس پر عمل درآمد ہونے سے جب تک بھی امام وقت کا ظہور نہیں ہوتا ایک مسلمان کے تمام امور نہایت خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہو سکتے ہیں - اور جو اس پر عامل ہیں اُن کے امور انجام پذیر ہو رہے ہیں - اس ضمن میں بھی ہم محض اپنی دماغی کیفیت و مقدار کے تحت کچھ لکھنا خلافِ اصول سمجھتے ہیں کیونکہ اگر اپنی رائے اور اپنی عقل کے مطابق ایک پروگرام یا لائحہ عمل پیش کر دیا تو یہ سوائے ایک ذاتی رائے کے اور کچھ نہ رہیگا اور پھر ممکن ہے کہ اس کے مقابلہ میں اس سے بہتر رائے کسی اور کی ہو اور وہ ہمارے پیش کردہ پروگرام سے بہتر پروگرام پیش کر دے - اس کے علاوہ کسی اہم اور اجتماعی امر کے لئے ذاتی رائے پیش

محبانِ رسولِ مختار اور اہلبیتِ اطہار کے لئے نادر شہ پارے

قرآن مجید مع ترجمہ و تفسیر لوامع القرآن

(از علامہ مرزا احمد علی صاحب قبلہ)

اس قرآن مجید کے حاشیہ پر تمام دنیا کی تفاسیر کا نچوڑ نکال کر مرزا صاحب نے دن رات کی محنت شاقہ کے بعد مکمل کیا ہے۔ مثلاً تفسیر کبیر فخر الدین رازی۔ تفسیر در منثور سیوطی۔ تفسیر [illegible] معالم التنزیل۔ صافی وغیرہ وغیرہ حتیٰ کہ عراق۔ مصر۔ شام۔ عرب۔ امریکہ کی کتب سے غور و فکر کرنے کے بعد ترجمہ و حاشیہ کو آراستہ کیا ہے۔

- ★ قرآن مجید کا دوسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے۔ تمام غلطیاں ترجمہ اور تفسیر کی ختم کر دی ہیں۔
- ★ اس قرآن حکیم کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ [illegible] کے [illegible]
- ★ مخالفین اسلام کے اعتراضات کے مدلل جوابات درج ہیں۔
- ★ تفسیر بالرائے کی تردید کی گئی ہے۔
- ★ غلط اور خود ساختہ مسائل کی بیخ کنی کی گئی ہے۔
- ★ [illegible] کے متعلق تعویذات و عملیات بھی درج کئے گئے ہیں۔

ہدیہ قسم اول [illegible] روپے۔ ہدیہ قسم دوم [illegible] روپے (محصول ڈاک بذمہ خریدار)

سوانح چہاردہ معصومین علیہم السلام سوانح حیات [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]	[illegible]
حضرت علی [illegible]	امام محمد باقر و جعفر صادق [illegible]	[illegible]
امام حسن [illegible]	امام [illegible]	[illegible]
امام حسین [illegible]	امام محمد تقی و علی نقی [illegible]	(علاوہ خرچ محصول ڈاک)

شیخ غلام حسین اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

شیخ غیاث الدین پرنٹر و پبلشر نے تعلیمی پرنٹنگ پریس ... لاہور میں چھپوا کر دفتر ادارہ معارف اسلام (رجسٹرڈ) لاہور شاہ عالم مارکیٹ ... سے شائع کیا